97/17

احتیاط و تقویٰ

حضرت قطب العصر فقیہ امت مولانا رشید احمد قدس اللہ سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص بہت اچھے گلے کے تھے نعت وغیرہ خوب پڑھتے تھے حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی قدس اللہ سرہ العزیز ورحمہ اللہ تعالیٰ (الشیخ مربی حضرت الشیخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ) سے درخواست کی گئی کہ آپ بھی سن لیں۔ فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی نماز میں امام بنا دیتے ہیں اور غنا (راگ) میں بلا مزامیر بھی علماء کا اختلاف ہے اس لئے احتیاط کے خلاف ہے۔

تاریخ مشائخ چشت النظامی

۱۸ ستمبر ۱۹۸۱ء

قیمت فی پرچہ: ڈیڑھ روپیہ

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ وتشریح: محمد سعید الرحمٰن علوی

وَ اَخْرَجَ اَحْمَدُ بِسَنَدٍ حَسَنٍ عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیه و اصحابه وسلم لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوةٍ بِوُضُوْءٍ وَعِنْدَ کُلِّ وُضُوْءٍ بِسِوَاکٍ ۔ (الدر المنثور ۵ ص ۱۱۳)

صاحب درمنثور نے مسواک کی فضیلت میں اس کے علاوہ دو اور روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک کی راویہ ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ طاہرہ حمیرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں تو دوسری کے راوی حضرت امیرالمومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے جو روایت اوپر نقل کی گئی اس میں دو باتوں کا ذکر ہے یعنی اگر حضور علیہ السلام کو امت کی مشقت وتکلیف کا خیال نہ ہوتا تو آپ ہر نماز کے لئے الگ وضو اور ہر وضو کے ساتھ مسواک لازمی قرار دیتے۔ جبکہ حضرت ام المومنین والی روایت میں ارشاد ہے۔ جس وضو کے ساتھ مسواک کی گئی اور پھر دو رکعت پڑھی گئیں وہ ان ستائیس رکعتوں سے افضل ہیں جو بغیر مسواک پڑھی گئیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ والی روایت میں صرف وضو کے ساتھ مسواک کا ذکر ہے کہ اگر امت کی مشقت کا لحاظ نہ ہوتا تو آپ فرماتے ہیں کہ میں ہر وضو کے ساتھ مسواک کو لازمی قرار دے دیتا۔

قارئین جانتے ہیں کہ ایک وضو کے ساتھ متعدد نمازیں جائز ہیں تاوقتیکہ نواقص وضو میں سے کوئی چیز پیش نہ آ جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو وضو ختم ہو جاتا ہے اور پھر از سر نو وضو کرنا پڑتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو ۲، ۳، ۴ نمازیں جب تک وضو قائم ہے جائز ہوں گی۔ اور یا پھر وہ شخص ہر نماز کے لئے جدید وضو کرے جو "معذور" ہو یعنی جیسے سلسل البول، اخراج ریح، مسلسل نکسیر جیسی شکایات ہوں لیکن بغیر کسی عذر و نقص جو آدمی ہر نماز کے ساتھ تازہ وضو کرے وہ بڑا خوش قسمت اور سعادت مند ہے اور ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھ لینا اور ہی خیر و برکت کا موجب ہے۔

حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا تھا کہ قیامت کے دن لوگوں کے ہجوم میں آپ اپنی امت کے افراد کو کیسے پہچانیں گے؟ تو آپؐ نے فرمایا۔ ان کے اعضاء وضو چمکتے ہوں گے۔ اس سے میں انہیں پہچان لوں گا۔ اس ارشاد نبوی کو سننے کے بعد سرکار دو عالم علیہ السلام کے کئی ایک خدام نے جن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے مبالغہ کے ساتھ اعضاء وضو کو دھونا شروع کر دیا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ حصہ صبح قیامت میں چمک سکے۔

وضو کی بڑی برکات ہیں اس لئے اس میں چاروں فرائض اور سنن و مستحبات کا پورا پورا لحاظ کرنا چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر نماز کے ساتھ تازہ وضو کی سعادت حاصل ہو سکے۔ تاہم اجازت ہے کہ ایک وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھ لی جائیں یہی بات سرکار دو عالم علیہ السلام نے ارشاد فرمائی کہ امت کی زحمت

(باقی ۱۴ پر)

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

جلد ۲۷ ٭ شمارہ ۱۲
۱۸ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ ٭ ۱۸ ستمبر ۱۹۸۱ء

اس شمارہ میں

رئیس الادارہ
پیر طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ
مدیر منتظم
مولوی محمد اجمل قادری
مدیر
محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل	سالانہ -/۶۰ ٭ ششماہی -/۳۰
اشتراک	سہ ماہی -/۱۵ ، فی پرچہ ۱/۵۰

پبلشر مولانا عبیداللہ انور ... پرنٹر ... لاہور

برائیوں کے خلاف جنگ

روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم، قائدنا الاعظم محمد عربی صلوات اللہ تعالےٰ علیہ وسلامہ سفر جہاد سے واپس پلٹے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم "جہاد اصغر" سے فارغ ہو کر "جہاد اکبر" کی طرف پلٹے ہیں —— اس کی وضاحت یوں فرمائی گئی کہ دشمن سے مقابلہ اور جنگ تو جہاد اصغر ہے اور اپنے آپ سے جہاد، جہاد اکبر!

۶ ستمبر جو یوم دفاع پاکستان ہے، پوری قوم نے تزک و احتشام سے منایا۔ ۱۹۶۵ء کے شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کیا گیا اور اس عہد و پیمان کو دہرایا گیا کہ ہم وقت آنے پر —— اللہ کرے کہ ایسا وقت نہ آئے ملک کا دفاع اسی جذبہ سے کریں گے۔

ہم نے "۶ ستمبر" کے عنوان سے جو اداریہ سپرد قلم کیا تھا اس میں اس طرف توجہ دلائی تھی اور آج اس موضوع پر کھل کر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ دفاع وطن کے ساتھ ساتھ استحکام وطن کی بھی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اور اس کا دار و مدار ہماری اپنی اصلاح پر ہے —— ہمیں حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کے مطابق اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیئے کہ ہم عمل اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے اس وقت کہاں کھڑے ہیں؟ اگر ہم واقعۃً اپنے آپ سے سنجیدگی سے استفسار کریں گے تو "مفتی قلب" کا فتویٰ ہمارے خلاف ہوگا۔ اور ہم مجرموں کی صف میں نظر آئیں گے۔

اللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اُسے بازوئے حیدرؓ بھی عطا کر

—نماز جیسا اہم فرض جس کی تاکید قرآن و سنت اور اقوال ائمہ و فقہا نے از حد طریقہ سے کی ۹۹۹ فی ہزار مسلمان اس سے غافل اور بے بہرہ ہیں۔ دیانت و صداقت، عدل و انصاف کا تلاش کرنا مشکل ہو گیا ہے

چند چیزوں میں نہیں تخصیص عام
ہے نشہ آور شریعت میں حرام ★

—یوم دفاع پر حاکم وقت نے بھی سماجی برائیوں کے خلاف جنگ و جہاد کی بات کہی ہے جو بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ ہماری حالت کس حد تک پہنچی ہے؟ ہمیں کہنا یہ ہے کہ قوم کے ناخدا، ارباب علم، اہل دانش، مفکرین قوم اور مصلحین ملت اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں۔ اور "اصلاح" کا عمل اپنے آپ سے شروع کر کے پوری قوم کو اس رنگ میں رنگ دیں کہ یہی ذریعہ ہے قوموں کی بقاء کا۔

- - - - - - - - - - - - - - -خدائے بزرگ و برتر ہمیں اپنے فضل و احسان سے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے اور ملک کی حفاظت فرمائے۔

دو بزرگ علماء کا انتقال

حضرت المخدوم امام لاہوری قدس سرہٗ کے خلیفہ، نامور مصنف اور فاضل خطیب مولانا سید امین الحق صاحب طورو ضلع مردان میں اور استاذ نا المکرم مولانا محمد شریف صاحب جالندھری مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان مکہ معظمہ میں انتقال فرما گئے——— موت العالِم موت العالَم کا محاورہ اکثر و بیشتر دہرایا گیا اور جب ایک عالم دنیا سے رخصت ہؤا تو لوگوں نے اس محاورہ کی حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھی——— مولانا سید امین الحق مدتوں شیخوپورہ میں خطیب رہے متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ محکمہ اوقاف پنجاب کے صوباتی خطیب رہے۔ حضرت لاہوریؒ اور آپ کے گھرانے سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ ہمارے ایک پرانے اہل قلم نے موصوف کے متعلق مختصر مضمون لکھا ہے جو اسی اشاعت میں شامل ہے———

حضرت مولانا محمد شریف مخدوم العلماء مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ کے منجھلے صاحبزادے، دیوبند کے فیض یافتہ اور اب ایک عرصہ سے اپنے عظیم باپ کے جانشین تھے، ایک عظیم دینی ادارہ کے منتظم اور حلقہ علماء و مدرسین میں بڑے مقبول

یہ دونوں سانحے اہل حق کے لئے بڑے عظیم ہیں——— ہم خدائے بزرگ و برتر کے حضور دونوں حضرات کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت انہیں مقام رضا سے نوازے، امت کو ان کا نعم البدل نصیب ہو، ان کے صلبی اور معنوی فرزندوں کو اس حادثہ پر صبر کی توفیق ہو۔ اللھم اغفر لھما وارحمھما وادخلھما الجنۃ بغیر حساب۔ بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

بقیہ: بچّوں میں پہلا مسلمان

خاموش ہیں تو اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:-

"اگرچہ میں عمر میں چھوٹا اور کمزوری سے میری ٹانگیں کانپتی ہیں۔ لیکن میں اس مبارک کام میں آپ کی مدد ضرور کروں گا۔" یہ کہہ کر آپ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

خدا کی شان، یہی کمزور بچّہ جس نے خود کہا تھا کہ کمزوری کی وجہ سے میری ٹانگیں کانپتی ہیں بڑا ہو کر شیرِ خدا کے نام سے پکارا گیا اور اس نے ایسی طاقت پائی کہ دنیا کا بڑے سے بڑا پہلوان بھی اُسے شکست نہ دے سکا۔

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر یا کھاتہ نمبر ضرور لکھیں (مینجر)

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب: خالد سلیم

اللہ کے نیک بندوں کی پہچان

پیرِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

عن عبد الرحمٰن قَالَ خِیَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ اِذَا رُأُوْ ذُکِرَ اللّٰہُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الْمَشَّاؤُنَ بِالنَّمِیْمَۃِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَیْنَ الْاَحِبَّۃِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَاءَ الْعَنَتَ۔ (رواہ احمد والبیھقی، فی شعب الایمان)

عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے خاص نیک بندے وہ لوگ ہیں جن پر نظر پڑے تو فوراً خدا یاد آجائے اور بندوں میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور مخلص دوستوں کے درمیان تفریق ڈالتے ہیں اور بے گناہوں کو مصیبت میں پھنساتے رہتے ہیں۔"

قرآن مجید ایک انقلابی کتاب ہے، قرآن نے صحابہ کرامؓ کا ایک ایسا انقلابی گروہ پیدا کیا جنہوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ اسی لئے جب سے دنیا بنی ہے صرف صحابہ کرامؓ ہی کو اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم کا تمغہ عطا فرمایا ہے۔

اچھے لوگوں اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں ہر ایک سے محبت سے پیش آتے ہیں۔ اور ان کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آ جاتا ہے۔ کثرت سے ذکر اللہ کرنے سے دل میں اللہ تعالیٰ کا نام نقش ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ذاکر گناہ کرنے سے ڈرتا ہے اس کو ہمہ وقت اللہ کی خوشنودی کا خیال رہتا ہے۔ اس کے برعکس بدترین، ذلیل اور خبیث لوگ وہ ہیں جو چغلیاں کھاتے ہیں۔ مخلص دوستوں کے درمیان لڑائی و تفریق ڈالتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس کو آج سیاست، چالاکی، عیاری اور مکاری کہا جاتا ہے قرآنی تعلیمات کے مطابق حکم ہے کہ بات پکی، کھری اور سچی کی جائے۔ کسی قسم کی بناوٹ یا ہیر پھیر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم نے ہر میدان میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ جہاں وہ اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے وہاں وہ قوم کے سردار بھی تھے فوج کے کمانڈر انچیف بھی تھے۔ جہاں وہ سب سے زیادہ عبادت گذار تھے وہاں وہ تاجر بھی تھے

ایک مرتبہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایسے دیکھ رہا ہوں کہ لمبا تڑنگا حبشی سرخ سرخ ٹانگوں والا کعبۃ اللہ کی چھت پر چڑھا ہؤا ہے جو کعبۃ اللہ کی اینٹیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہا ہے جو زمین پر گرنے کی بجائے فضا میں معلق ہوتی جاتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کشفی نظر سے ہو سکتا ہے۔ کعبۃ اللہ شعائر اللہ میں سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ دنیا میں سب سے پہلی عمارت کعبۃ اللہ تھی اور سب سے آخری عمارت بھی کعبۃ اللہ ہوگی جب تک اللہ کا گھر قائم ہے اور اللہ کا نام لینے والے موجود ہیں

(باقی ۸ پر)

خطبہ جمعہ — ضبط و ترتیب : علوی

ابراہیمی دعائیں

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدّظلہم ○

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ...... اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۔ صدق اللہ العظیم۔

(البقرہ آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹)

محترم حضرات و معزز خواتین! آپ کے سامنے قرآن عزیز کی تین آیات سورۂ بقرہ کی تلاوت کی گئی ہیں۔ ان آیات میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ان دعاؤں کا ذکر ہے جو انہوں نے بنائے کعبہ کے وقت اپنے فرزند عزیز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کی تھیں۔

حضرت خلیل علیہ السّلام اللہ تعالےٰ کے نہایت برگزیدہ اور اولوالعزم پیغمبر تھے۔ ان کی حیات مبارکہ عجیب و غریب واقعات سے لبریز ہے۔ گھر سے لے کر حکومت و سوسائٹی تک پورا ماحول ان کے خلاف تھا۔ انہوں نے ہر کسی سے ٹکر لی۔ اس کش مکش میں انہیں بے پناہ مصائب سے دوچار ہونا پڑا حتیٰ کہ اس دور کی فسطائی حکومت نے انہیں آگ میں جلا دینے کی ٹھان لی اور اس مقصد کے لئے آگ کا الاؤ روشن کر دیا گیا لیکن اللہ تعالےٰ نے اس آگ کو اپنے خلیل کے لئے "سلامتی" بنا دیا۔ اور دشمن منہ دیکھتا رہ گیا۔

قرآن عزیز اور حضرت خلیلؑ

ان کے کارنامہ ہائے زندگی کا قرآن میں جا بجا ذکر ہے ——— جن آزمائشوں سے وہ دوچار ہوئے ان کا بھی قرآن نے متعدد مواقع میں ذکر کیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں ان آیات سے قبل ایک آیت میں اللہ تعالےٰ نے ان کی زندگی کا مجموعی نقشہ کھینچتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔

"اور جب ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دیا۔ فرمایا بے شک میں تمہیں سب لوگوں کا پیشوا بنا دوں گا"۔

(البقرہ : ۱۲۴)

حضرت اقدس لاہوری قدس سرہٗ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالےٰ نے چار امتحان لئے جن میں وہ کامیاب ہوئے اور امامت و پیشوائی کا عہدہ ملا۔ پہلا امتحان جذبۂ توحید کی پاداش میں آگ میں ڈالے گئے دوسرا اسی پاک جذبہ کے باعث وطن، دیار اور اعزہ کو خیرباد کہنا پڑا۔ تیسرا امتحان شیرخوار بچہ اور عصمت پناہ بیوی کو اعتماد علی اللہ پر بیابان میں چھوڑا اور نشر و اشاعت دین کے لئے تشریف لے گئے۔ چوتھا امتحان اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے"۔

(حواشی قرآن عزیز ص ۲۹)

آیات مندرجہ بالا جو آپ نے سماعت فرمائیں وہ بھی ایک امتحان کی کڑی ہی ہیں جیسا کہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ تعالےٰ کے حواشی سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی اور پھر جہاں آج بیت اللہ الحرام ہے اس "بیابان" اور "وادی غیر ذرع" میں اس معصوم صاحبزادے کو والدہ سمیت چھوڑ دینے کا حکم فرما دیا۔ ابراہیم علیہ السلام جو تسلیم و اطاعت اور انقیاد کے جذبات میں اپنی مثال آپ تھے اور خدا کی رضا کے لئے ہمیشہ سرگرم عمل رہتے۔ انہوں نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور اپنے صاحبزادے اور اہلیہ کو وہاں چھوڑ کر چل دئے۔ اس کے بعد وہاں جو حالات پیش آئے ان کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ وہاں پانی نہ تھا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں کی رگڑ سے پانی پیدا ہو گیا جسے "آبِ زمزم" کہا جاتا ہے۔ اس وقت سے آج تک اس کی اپنی خصوصیات ہیں۔ سرکار دو عالم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "ماءِ زمزم" جس مقصد کے لئے پیا جائے وہ پورا ہوتا ہے۔ حجاج دنیا بھر میں اس پانی کو اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں۔ آپ سالوں اسے بوتل وغیرہ میں بند کر کے رکھ دیں اس کی رنگت، بو، ذائقہ کسی چیز میں فرق نہیں پڑتا۔ اس موقعہ پر آپ کی اہلیہ محترمہ نے اضطراب و بے قراری کے عالم میں صفا و مروہ پر دوڑ لگائی اللہ تعالےٰ نے اپنی بندی کے اس عمل کو صبح قیامت تک حجاج کے لئے ضروری قرار دے دیا ——— رہ گیا وہ خدا کا گھر جسے انہوں نے بنایا اور بسایا وہ آج امت محمدیہ کا قبلہ و مرکز ہے اور ساری دنیا اس کی طرف کھنچی چلی جاتی ہے ——— نیم پختہ چھوٹا سا کوٹھا ہے لیکن اس میں بلا کی کشش ہے۔ ہر فرد اس کے دیکھنے کی تمنا اور خواہش رکھتا ہے اور جو مقدر و قسمت سے وہاں پہنچ جاتے ہیں ان کی بے قراریاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک مخصوص لباس میں ملبوس ہر فرد اس سے لپٹا اور چمٹا ہوا ہوتا ہے۔ طواف ہو رہا ہے، دعائیں ہیں، نوافل ہیں اور خدا کی یاد کی سرگرمی ہے ——— آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں :۔

"اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اے رب ہمارے! ہم سے قبول کر، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے ——— اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہمیں حج کے طریقے بتا دے۔ اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے ——— اے ہمارے رب! اور ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے۔ اور انہیں کتاب اور دانائی سکھائے اور انہیں پاک کرے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے"۔

(حضرت لاہوری قدس سرہٗ)

انبیاء کی دعائیں

قرآن عزیز نے متعدد انبیاء کی دعائیں نقل کی ہیں جن سے ان کی عبودیت و بندگی کا اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ یہ مقدس طبقہ اور گروہ کس طرح اپنے خالق و مالک کے حضور اپنی نیازمندی کا مظاہرہ کرتا ہے ——— یہ ابراہیمی دعائیں اس سلسلہ کی کڑی ہیں۔ پہلی دعا بیت اللہ کے متعلق ہے بقول حضرت لاہوریؒ :۔

"اے اللہ! جس غرض کے لئے ہم یہ عمارت بنا رہے ہیں اسے قبول فرما۔ یعنی اس گھر کو خدا پرستوں کا ملجا و ماویٰ بنا دے"۔

آج اس پر کسی گفتگو کی ضرورت نہیں کہ اللہ نے اپنے بندے کی دعا کس طرح قبول کی اور آج کعبہ کی جو مرکزیت ہے وہ اسی سوز دروں کا اثر ہے۔ دوسری آیت میں امت

مسلمہ کی پیدائش کی درخواست ہے تو اس کا عملی مظہر حضور علیہ السلام کی امت ہے۔ قرآن عزیز نے سورۃ حج کے آخر میں واضح کیا کہ اے امت محمدیہ! تم ابراہیمی طریقہ کو لازم پکڑو کہ اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ اور تیسری دعا حضرت خلیل علیہ السلام نے اس امت مسلمہ میں ایک رسول مبعوث کرنے کے لئے کی اس کا عملی مظہر ہمارے آقا و مولیٰ ہیں۔ جو خود فرماتے ہیں۔ "انا دعوۃ ابی ابراھیم" کہ اپنے ابا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ ہوں اور لطف یہ ہے کہ اس دعا میں اس نبی کے لئے جن فرائض کی درخواست کی تھی بعینہٖ وہ فرائض سرکار دو عالم علیہ السلام کو سونپے گئے جیسا کہ سورۂ آل عمران اور سورۂ جمعہ میں ذکر ہے۔

آج جبکہ حج کے ایام قریب تر آ رہے ہیں اور لاکھوں سعادتمند اُدھر کا رُخ کئے ہوتے ہیں، معاً ذہن میں آگئیں تو ان پر کسی درجہ میں اظہار خیال کر دیا گیا۔ لاکھوں وہاں پہنچ چکے، کچھ جا رہے ہیں اور کچھ ابھی جائیں گے اور وہ سب وہاں قدم قدم پر ابراہیمی استقامت، ان کی للہیت، خلوص، ایثار اور جذبۂ فدائیت کو دیکھیں گے۔ جو جا رہے ہیں یا جا چکے ہیں ان سے یہ کہنا ہے کہ وہاں براہیمی اداؤں اور روایات کو زندہ کریں اور اپنی عاجزی و بندگی کا بھرپور مظاہرہ کریں اور جو نہیں جا رہے وہ بھی اس کی فکر کریں کہ ہمارے اندر وہی استقامت اور وہی جذبہ فدائیت [illegible] ہو جاتے جو براہیمی گھرانے کا طرۂ امتیاز ہے۔

قرآن عزیز نے ابراہیم و محمد علیہما السلام کے گہرے تعلق کے پیشِ نظر جہاں محمد علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا ذکر کیا وہاں اپنے خلیل کے اسوہ کی پیروی کا بھی ذکر کیا۔ یاد رکھیں آج کے پُرفتن دور میں اسی ایثار و قربانی کو اپنا کر دنیا کی پیشوائی و قیادت حاصل کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرما کر ہمیں ان کے اتباع کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بقیہ: مجلس ذکر

اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔

مقصدِ زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، اللہ کا نام ہے۔ علم ذریعہ ہے اس مقصد کو حاصل کرنے کا۔ اللہ کا نام سیکھنے کے لئے اللہ والوں کی صحبت بہت ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں خود بخود روحانی بیماریاں دور ہو جاتی تھیں۔ دلوں کی میل نکل جاتی تھی۔ تزکیہ نفس ہو جاتا تھا۔ لیکن جب تک ہم اللہ والوں کی صحبت میں اپنی روحانی تربیت نہ کرائیں اس وقت تک زرپرستی، جاہ پرستی، غرور، حسد، چغلی اور غیبت وغیرہ روحانی بیماریاں دور نہیں ہوں گی۔ اللہ والے ان سب بیماریوں سے دلوں کو پاک و صاف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اللہ والوں کی صحبت عطا فرمائے اور کثرت سے ذکر اللہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا آپ مجھے ایک ایسا کلام بتائیے جس سے آپ راضی ہو جائیں۔ جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسند ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کثرت سے پڑھا کرو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دُعائے صحت

حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب باغبانپورہ کی اہلیہ محترمہ بیمار ہیں نیز صوفی امام دین صاحب جھنگوی (ٹیوب ویل آپریٹر) کی صاحبزادی ایک عرصہ سے علیل ہے۔ احباب سے ہر دو کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

(ادارہ)

آہ! حضرت مولانا سید امین الحق رحمۃ اللہ علیہ

ازقلم: محمد عثمان غنی بی اے واہ کینٹ

مخدومنا و مرشدنا شیخ التفسیر حضرت لاہوری نوّر اللہ مرقدہٗ نے برصغیر پاک و ہند کے مختلف مقامات پر اپنی حیات طیبہ ہی میں اپنے چوبیس مقتدر خلفاء عظام مقرر فرما کر اندھیاروں میں بھٹکتی ہوئی اور حق کی متلاشی دنیا کے لئے جگہ جگہ روشن دیئے رکھ دئے جنہوں نے اپنی اپنی حد تک روشنی پہنچائی اور کچھ ہم سے یکے بعد دیگرے جدا ہو گئے۔ اور چند بزرگ ہماری ہدایت کے لیے اپنا اپنا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ جانے والوں پر اللہ کی رحمتوں کی بے پایاں بارشیں ہوں اور موجودہ بزرگان کرام کا سایہ ہما پایہ ہم گنہگاروں کے سروں پر تا دیر قائم رہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی قدر کرنے اور ان سے اخذِ فیض کی توفیق عطا فرمائے۔

اس جہانِ فانی میں بقاء تو کسی کو نہیں ہے۔ تاہم ؎

غنیمت جان لو مِل بیٹھنے کو
جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

جدا ہونے والے بزرگوں کی فہرست طویل ہوتی جا رہی ہے۔ ابھی چند روز ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید امین الحق صاحب، طورو ضلع مردان (صوبہ سرحد) میں انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعونؐ۔

واہ کینٹ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب گذشتہ سترہ سال سے درسِ قرآن و حدیث دے رہے ہیں جس کی سرپرستی حضرت اقدس مولانا عبیداللہ انور صاحب دامت برکاتہم فرماتے رہے ہیں۔ امسال بھی درس کی سالانہ تقریب کے سلسلہ میں احقر لاہور حاضر ہوا تو حضرت اقدس نے اپنی روایتی شانِ کریمی سے واہ کینٹ کے پروگرام کی سرپرستی کے لئے تشریف لانے کا وعدہ فرمایا۔ اور حضرت مولانا سید امین الحق صاحب کو دعوت دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ احقر ۱۳ر اگست ۱۹۸۱ء کو ذاتی طور پر حضرت مولانا سید امین الحق صاحب کے دولت کدہ پر طورو ضلع مردان حاضر ہوا مگر آپ پشاور بسلسلۂ علاج تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ آپ کے ایک ہونہار پوتے عزیز مکرم جناب سید منہاج الحق سٹوڈنٹ فورتھ ایئر میڈیکل کالج پشاور گھر پر تھے ان کو احقر نے تحریری دعوت نامہ دیا کہ حضرتِ اقدس لاہور سے تشریف لائیں گے۔ لہٰذا آپ بھی تشریف لائیں۔ اور جواب سے ضرور مستفید فرمائیں۔ احقر نے آٹھ سال قبل بھی درس کی آٹھویں سالگرہ منعقدہ ۲۹ر اپریل ۱۹۷۳ء کے پروگرام میں موصوف کو دعوت دی تھی جبکہ آپ شیخوپورہ کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ میرے دعوت نامے کا جواب آپ نے عطا فرمایا تھا جس کی نقل یہ ہے

مخدوم مکرّم دام عنایتہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

گرامی نامہ ملا۔ یاد فرمائی کا ازحد مشکور ہوں۔ ایسی پاکیزہ نشست جس میں حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب کی دعا اور حضرت قاضی صاحب کا درس ہو مجھے آپ جیسے عزیز دعوت دیتے ہیں اور میں حاضر ہونے سے انکار کروں؟ میں ضرور حاضر ہونگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن آپ کو معلوم ہے میں محکمہ اوقاف کا مزدور ہوں۔ کبھی اِدھر اُدھر جانا پڑتا ہے۔ اگر آپ مجھے ۲۵-۲۶ر اپریل کو یاد دہانی کے لئے ایک گرامی نامہ

بھیج دیں تو بہتر ہو گا تاکہ میں کہیں بھول نہ جاؤں۔ حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون
والسلام۔ امین الحق عفی عنہ
۲ر اپریل ۱۹۷۳ء"

حسب ارشاد احقر نے یاددہانی کرادی تو حضرت مولانا نے پھر چند سطور کا والا نامہ تحریر فرمایا جس کی عبارت یہ تھی :-

"محترم و مکرم! السلام علیکم۔
آپ کا گرامی نامہ ملا۔ انشاءاللہ تعالیٰ آپ کے حسب ارشاد میں ضرور پہنچ جاؤں گا ۲۷-۴-۲۸ کی شام کو ہو یا ۲۹ کی صبح کو۔ زادِ راہ بھیجنے کی تکلیف نہ کریں۔
امین الحق شیخوپورہ ۴/۲۳ ۸"

ہماری محرومیٔ قسمت، ۲۸ر اپریل کی شام کو مندرجہ ذیل تار آپ کی طرف سے موصول ہوا۔

"DUE TO DEPARTMENTAL
MEETING I AM
UNABLE TO PARTICIPATE
IN THE JALSA
(-) AMINULHAQUE
PROVINCIAL KHATIB
(AUQAF) BADSHAHI
MASJID LAHORE"

اس تار کا مفہوم یہ تھا کہ میں اوقاف کی ایک میٹنگ کی وجہ سے وہاں میں شرکت نہ کر سکوں گا۔

احقر نے طورو میں جو خط لکھا اس میں پرانا حوالہ بھی دیا۔ کہ آپ کو پہلے بھی ۷۳ء میں دعوت دی تھی مگر آپ تشریف نہ لاسکے اب ۱۹۸۱ء کی سالگرہ میں تشریف لائیں۔ آپ نے پشاور سے واپسی پر گھر آکے میرا خط پڑھا۔ تو مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا جو میرے خیال میں آپ کا آخری نوشتہ ہے :

"بخدمت جناب حضرت مولانا صاحب!
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ
آپ کی تشریف آوری کا مشکور ہوں میری بدقسمتی ہے کہ میں آپ کو مل نہ سکا اس لئے کہ میں پشاور گیا ہوا تھا۔ یہ موقع مقدس موقعہ ہے اس میں شرکت بھی مقدس ہے اور خصوصاً مولانا عبیداللہ انور صاحب مدظلہٗ کا تشریف لانا بہت بڑی غنیمت ہے۔ لیکن میں بیمار ہوں اس لئے اگر ڈاکٹر نے اجازتِ سفر دی تو میں حاضر ہو جاؤں گا، اگر منع کیا تو معذور ہوں اس بہانے بہت سے احباب کی ملاقات بھی ہو جاتی ہے، میرا آنا کوئی یقینی بات نہیں۔ لہذا آپ اشتہار وغیرہ میں میرا نام نہ دیں تاکہ بعد میں آپ کو پریشانی نہ ہو — میں حتی الوسع کوشش کروں گا کہ حاضر ہو سکوں۔" والسلام
امین الحق عفی عنہ
۱۴ر اگست ۱۹۸۱ء بروز جمعۃ المبارک"

ہماری بدقسمتی کہ لاہور سے حضرت اقدس مخدومنا و مرشدنا مولانا عبیداللہ انور صاحب دامت برکاتہم نے بھی ارشاد فرما دیا کہ بوجہ علالت آپ تشریف نہ لا سکیں گے۔ آپ کا گرامی نامہ حضرت قاضی صاحب کو ملا اور مجھے حضرت کے خادم حاجی بشیر احمد صاحب کا مکتوبِ گرامی ملا۔ لہٰذا میں نے اس اطلاع کی بنا پر فوری طور پر حضرت مولانا امین الحق صاحب کو مطلع کر دیا کہ پروگرام ملتوی ہو گیا ہے۔

جب بندہ لاہور جون ۸۱ء میں اجازت کے لئے حاضر ہوا تو حضرت اقدس مولانا عبیداللہ انور صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ گذشتہ دنوں غلطی سے "الحق" اکوڑہ خٹک کے مدیر شہیر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے ایک اداریہ سپردِ قلم کر ڈالا جس میں حضرت مولانا سید امین الحق صاحب کی وفات کا ذکر تھا۔ حالانکہ آپ اس وقت بقیدِ حیات تھے، اور لاہور تشریف لا کر مجھ سے ملاقات بھی فرمائی۔

احقر جب طورو گیا تو اپنے ہمراہ سہولت کے پیش نظر ایک پٹھان دوست کو بھی لے گیا تاکہ راستہ میں لوگوں کی بات سمجھنے کے لئے ترجمانی ہو جائے۔ جس ویگن میں ہم لوگ مردان سے طورو کے لئے سوار ہوئے اس کی فرنٹ سیٹ پر ایک وجیہہ نوجوان پشتون سے

میرے رفیقِ سفر نے پشتو میں مولانا امین الحق صاحب کا پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ تو فوت ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے رفیق سفر سے پہلے ہی یہ تذکرہ کر دیا تھا کہ یہ خبر غلط چھپنے سے عام تاثر لیا گیا ہے۔ اُس نے پشتون نوجوان کو پھر کہا کہ یہ خبر غلط ہے مگر وہ مُصر رہا کہ میں طورو کا باشندہ ہوں اور حضرت مولانا امین الحق کو جانتا ہوں ان کے صاحبزادے کا نام انعام الحق ہے اور یہ خبر درست ہے میں نے اپنے رفیقِ سفر سے کہا کہ اب ہم منزل پر پہنچنے ہی والے ہیں ان سے گلی محلہ کا پوچھ لو۔ وہاں ہم اتر جائیں گے اور صحیح صورتِ حال معلوم ہو جائے گی۔ تاہم مقامی آدمی کے اصرار سے دل کو دھچکا ضرور لگا کہ ہو سکتا ہے "الحق" کی خبر کے بعد ہی حضرت مولانا کا وصال ہو چکا ہو۔ ہم جب گلی میں داخل ہوئے تو میرے رفیق سفر نے ایک دُکاندار سے پشتو میں حضرت مولانا امین الحق صاحب کے گھر کا پتہ پوچھا اور معلوم ہونے پر مزید دریافت کیا کہ آیا حضرتِ موصوف زندہ ہیں یا انتقال فرما چکے ہیں۔ دُکاندار نے حیرت کا اظہار کیا اور پورے اعتماد سے کہا کہ الحمدللہ زندہ ہیں۔

چنانچہ ہم حضرت مولانا کے گھر واقع محلہ صدیق خیل نزد ضریخ جماعت پہنچے تو آپ کی حیات طیبہ کی تصدیق ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ اگر "الحق" اور طورو کے پشتون نوجوان کی خبریں درست نہ تھیں تو ۲۹ر اگست ۸۱ء کو یہ خبریں درست ہو گئیں۔

مجھے مندرجہ ذیل تار واہ کینٹ پہنچا جو میرے گھر فون پر مجھے دفتر میں سنایا گیا اور میں سناٹے میں آگیا :-

"MR. USMAN GHANI
B-89, LALA RUKH
WAHCANTT LANA
(-) MAULANA AMINUL HAQ
DIED 29TH AUGUST
AT TORU MARDAN (-)
MINHAJUL HAQ"

مفہوم یہ ہے کہ مولانا امین الحق ۲۹ر اگست کو طورو مردان میں وفات پا گئے۔

اللہ رب العزت ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس خلیفۂ مجاز کی قبر کو پُر نور فرمائے اور ہم سب کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مواعظِ حسنہ

تبرکاً حضرت مولانا سید امین الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظِ حسنہ سے جستہ جستہ اقتباسات پیشِ خدمت ہیں جو اُن کی گونجتی ہوئی آواز کی صدائے بازگشت سمجھ لیں اور ان سے اخذِ فیض کریں۔ یہ اقتباسات اُن تقاریر میں سے ہیں جو احقر کو وقتاً فوقتاً قلمبند کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

○ محترم حضرات! یہ قطبِ زماں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا لگایا ہوا باغ ہے جو الحمدللہ اُن کے وصال کے بعد بھی ہرا بھرا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بھی زیادہ سرسبزی و شادابی عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم نے وُہ دَور دیکھا ہے کہ اس شہر لاہور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کوئی کلمہ حق بولنے والا نہیں تھا۔ آج آپ دیکھ لیجئے، کوئی محلّہ دیوبندیوں سے خالی ہے؟ علماءِ دیوبند سے مساجد خالی ہیں؟ خدا کی قسم ہے یہ سب اُس ایک ذات کی جوتیوں کا طفیل ہے۔ اب بھی اس گھرانے کے نیازمندوں سے آپ وہ توقع رکھ سکتے ہیں جو ایک مسلمان کو کسی سے رکھنی چاہئے۔ اس مکتبِ فکر کے علماء اور بھی ہیں لیکن اس نیازمندی کی زنجیر سے جو جکڑا ہوا نہیں ہے اس کو دیگر تمام علوم و فنون میں تو بیشک مہارتِ تامہ حاصل ہو گی مگر روحانی کمال یہیں سے ملے گا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلق میں جو لوگ سچے ہیں وہ یقیناً حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کا احترام کرتے ہیں اور اگر نہیں کرتے تو یقین کیجئے کہ وہ اس نسبت اور تعلق

میں کچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک متنفس کو اس حرماں نصیبی سے محفوظ رکھے۔

ابن عمرؓ سے ایک شخص نے کہا کہ میں تجارت کرنے کے لئے شام جایا کرتا تھا مجھے بڑا فائدہ ہوتا تھا۔ اس سال میں عراق کو اپنا مال لے کر گیا اور مجھے نقصان ہوا۔ ابن عمرؓ نے پوچھا کہ تم نے کیوں اپنا رُخ بدلا؟ پھر فرماتے ہیں کہ میں نے رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ جس سبب اور جس حیلے سے رب تمہیں رزق دے رہا ہے جب تک وہ سبب اور حیلہ نہ بدل جائے تم اس کو مت تبدیل کرو۔ بھائی! ہم تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ جس راستے سے ہم نے ہدایت دیکھی اور ہدایت کی باتیں سنیں۔ خدا بچائے جس نے اس کو تبدیل کر دیا۔ وہ نامراد ہو گیا اور جو اس سلسلے سے ثابت قدمی کے ساتھ وابستہ رہا وہ رب کی رحمتوں سے نوازا گیا اور اب تک نوازا جا رہا ہے۔ ہمارے اپنے ملنے والے ہیں۔ ہمارے سلسلے کے رفقاء ہیں لیکن ان کی اتنی حالت بدتر ہو گئی ہے کہ خدا ہی رحم کرے وجہ کیا ہوئی؟ اُن کے اعتقاد میں، اُن کی عقیدت میں، ان کے اخلاص میں فرق آ گیا ہے۔ بعضے لوگوں کو تو ہم نے بہت گمراہ دیکھا، پہلے ایسے نہیں تھے۔ وہ سایہ اُٹھ گیا۔ وہ تعلق کٹ گیا، وہ نسبت نہ رہی۔ آپ حضرات میں سے جو صاحبان حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نیازمند ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ہم سب کو حضرتؒ کی اولاد کے دامن سے وابستہ رکھے۔ ہمیں اس وابستگی پر فخر ہے اور ہم دعا کرتے ہیں کہ قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور آپؒ کی اولاد کے نیازمندوں کی صف میں اٹھائے۔ آمین!"

مجلس ذکر شیرانوالہ لاہور
۱۴ رفروری ۱۹۷۱ء

○ "ہمیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا۔ فرمایا کہ سندھ تشریف لے جا رہے تھے، گاڑی سے اُترے رات کو، چھوٹا سٹیشن ہو گا، اور یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرے سوا اور کوئی اُس اسٹیشن پر اُترا ہی نہیں۔ اور چار پانچ میل مجھے جانا تھا۔ میل دو میل آگے جا کر کسی گاؤں کے قریب سے گذرا۔ وہاں کتے دوڑ پڑے، بڑے موٹے موٹے کتے تھے، قریب تھا کہ وہ مجھے کاٹ کھائیں۔ میں نے کہا "اللہ" میں نے دیکھا کہ وہ کتے زمین کے اندر دھنس گئے۔"

مجلس ذکر شیرانوالہ لاہور
۱۱ رمارچ ۱۹۷۱ء

○ "زندگی کے زمانے کا واقعہ آپ حضرات نے سنا ہو گا۔ اُس سے بعد کا بھی ایک اور واقعہ ہے۔ حضرت عمر کا اور حضرت ابوبکر صدیق کا (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) مصر کے لوگ گئے، گورنر کو رشوت دی، راضی کیا کہ ہم ابوبکرؓ کو اور عمرؓ کو نکال کر لے جاتے ہیں تاکہ یہ الزام دے سکیں کہ تم کہا کرتے ہو کہ دنیا میں بھی رفقاء تھے اور اب بھی رفقاء ہیں، وہ رفقاء نہیں رہے۔ ایک مجاور کہتا ہے، وہ رات کو وہاں رہا کرتا تھا کہ مجھے گورنر نے بلا کر کہا کہ لوگ آئیں گے، دروازہ کھول دینا، جو کچھ وہ چاہیں مت روکنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آرامگاہ سے چمٹا ہوا کھڑا تھا کہ یا اللہ! یہ تیرے رسول ہیں۔ اے اللہ کے رسولؐ! یہ کیا ہو گا؟ دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ دروازہ کھولا گیا، چالیس آدمی اندر داخل ہو گئے پھاوڑے اور کدالیں لے کر، جہاں آج کل منبر پڑا ہوا ہے جب یہاں پہنچے ہیں تو سب کے سب زمین کے اندر دھنس گئے۔"

مجلس ذکر شیرانوالہ لاہور
۱۱ رمارچ ۱۹۷۱ء

○ "حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک سے خوشبو پھوٹی تھی تو دُور دُور سے لوگ مٹی لینے آئے۔ شیخوپورہ کے ایک صاحب بھی مٹی لے گئے اور لطف کی بات یہ کہ وہ غیر مقلد تھے اُس کا نام ہے بابا جلیب اللہ — اہلحدیث ہے۔ میں نے کہا آپ لوگ

باقی ۱۴ پر

تراشے

خوفِ الٰہی

محمد سعید اسعد ملتانی

۱۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بصرے کی عید گاہ میں گیا اچانک سعدون مجنونؒ سے میری ملاقات ہوئی میں نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا بھلا ایسے شخص کا کیا حال ہو سکتا ہے، جو ہر وقت دور دراز سفر کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کے پاس سفر کا سامان تک نہ ہو بھلا ایسے شخص کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ جسے ایک زبردست عادل رب کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں کوئی رعایت نہیں ہو گی۔" یہ کہہ کر سعدونؒ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ مالکؒ فرماتے ہیں" میں نے پوچھا کیوں روتے ہو؟

بولے خدا کی قسم میں دنیا کی محبت یا مصائب کے خوف سے ہرگز نہیں روتا بلکہ بڑا رونا ان گذشتہ ایام زندگی کے لیے ہے، جو غفلت میں گزرے اور نیکیوں سے خالی رہے، خدا کی قسم میرا سفر بہت دشوار ہے اور میرے پاس زاد راہ نام کو بھی نہیں ذرا معلوم نہیں کہ منزل کو پہنچ جاؤں گا یا راستہ ہی میں ناکامی کی موت مر جاؤں گا۔

حضرت مالک بنؒ دینار فرماتے ہیں میں نے کہا تم تو بڑے ولی، عارف اور دانا معلوم ہوتے ہو لوگ تمہیں مجنوں کیوں کہتے ہیں؟

سعدون بولا، لوگوں نے میرے معاملہ میں دھوکہ کھایا ہے، خدا جانتا ہے کہ مجھ میں کوئی پگلا پن نہیں، بلکہ میرے خدا کی محبت میرے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے جس کے باعث میں دیوانہ ہوں، مالک کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا تم لوگوں سے الگ تھلگ کیوں رہتے ہو؟

بولا جب بندہ خدا کی محبت سے دل لگا لیتا ہے تو لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں رہتی۔ مالکؒ، تو لوگوں کو جس طرح چاہے پرکھ کر دیکھ لے تو انکو بچھو سانپ کی طرح ڈنگ لگنے والا پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف

۲۔ ایک شخص حضرت عمر بنؒ عبد العزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:۔

اے امیر المؤمنین! آپ کے سامنے میرے اس کھڑے ہونے سے آپ بارگاہ خداوندی میں اپنا کھڑا ہونا یاد کیجئے جس دن دعویٰ کرنے والوں کی کثرت آپ کو اللہ تعالیٰ سے اوجھل نہیں کر سکے گی جس دن آپ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، مگر نہ تو عمل پر کوئی اعتماد ہو گا نہ گناہ سے چھٹکارے کی کوئی صورت ہو گی حضرت عمر بن عبد العزیز نے یہ سن کر فرمایا ارے میاں! اپنی بات دوبارہ کہو اس نے پھر دھرا دی، عمر ثانی رو رہے تھے اور فرما رہے تھے، ہاں ذرا پھر دھرانا۔ ماخوذ از سیرۃ عمر بن عبد العزیز تالیف امام ابو محمد عبد اللہ

موت کو یاد کر لیا کرو

۳۔ قریش کا ایک شخص جو خلفاء کے ہاں اپنی ضرورت لیکر آتا تو ناکام نہیں جاتا تھا حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس آیا اور کوئی ضرورت پیش کی حضرت عمرؒ ثانی نے فرمایا:۔ یہ تو جائز نہیں وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوا تو غضب ناک ہو کر چلا گیا۔ حضرت عمرؒ ثانی نے اس کو دوبارہ طلب فرمایا اسے خیال ہوا کہ شائد اب ان کی رائے بدل گئی ہے میری ضرورت اب پوری ہو جائے گی۔ وہ واپس آیا تو حضرت عمرؒ نے اس سے کہا، جب دنیا کی کسی چیز کو دیکھو اور وہ تم کو پسند آئے تو موت کو یاد کر لیا کرو، اس سے اس چیز کی وقعت کم ہو جائے گی اور جب دنیا کی کسی چیز سے تم کو غم پیش آئے تب بھی موت ہی کو یاد کر لیا کرو اس سے وہ غم ہلکا ہو جائے گا۔

جاؤ یہ نصیحت اس چیز سے بہتر ہے جس کا تم نے مطالبہ کیا

منقول سیرہ عمر بن عبد العزیز امام ابو محمد عبد اللہ

مخدوم سید عثمان مروندی المعروف بہ

لعل شہباز قلندر

قدس اللہ سرہ العزیز

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب میوانی

ذیل کی چند سطور حضرت الشیخ مخدوم سید عثمان مروندی رحمۃ اللہ علیہ جو صدیوں سے عوام الناس میں حضرت لعل شہباز قلندر کے نام سے مشہور ہیں کے بارے میں مختصر تعارفی جائزہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان سطور کے لکھنے کی وجہ اصل میں یہ ہوئی کہ عام طور پر لوگ حضرت کے نام کے ساتھ لفظ قلندر کے ہونے سے بہت ہی زیادہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔

اس لیے کہ قلندر اس کو سمجھا جانے لگا کہ جس کے چہار ابرو کا صفایا ہو یعنی سر، بھویں، ڈاڑھی اور مونچھیں منڈی ہوں، ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا ہو، سیاہ رنگ کا بے وضع لباس، گلے میں موٹے موٹے منکوں کی مالا۔ پیروں سے ننگا، اوائی توائی بکتا ہو۔ شرع شریف سے دور کا واسطہ نہ رکھتا ہو۔ جس قدر اس میں زیادہ غلو اختیار کرے وہ اتنا ہی کامل قلندر سمجھا جاتا ہے۔ بھنگ، چرس اور اسی نوع کے دوسرے نشے استعمال کرنا لوازمات قلندر سمجھے جاتے ہیں۔ یہ تمام باتیں حقیقت میں قلندر ہونے کے لیے بعید از قیاس ہیں۔ عام طور پر یہ ہی دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ قتل، غارتگری اور اس قسم کے دوسرے گھناؤنے جرائم کی پاداش میں پولیس کی گرفت سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں وہ مزاراتِ اہل اللہ پر اس روپ میں اپنے آپ کو چھپائے رکھتے ہیں۔ تقدس کے اس پردہ میں وہ اپنے آپ کو محفوظ جانتے ہیں پولیس اور حکومت بھی بلا تامل ایسی مبارک جگہوں پر چھاپہ مارنے سے گریز کرتی ہے کہ یہ سب باتیں عوام الناس کو مشتعل کر دیتی ہیں۔

یہ مجرم اور بدقماش لوگ ہر طرح کے گناہوں میں ملوث رہتے ہوئے اپنے آپ کو قلندر ظاہر کر کے زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جب کسی بزرگ کے نام کے ساتھ قلندر لکھا دیکھتے ہیں تو عام طور پہ یہ ہی تاثر لیا جاتا ہے کہ وہ بھی حدود شرع شریف سے آزاد ہوں گے۔ پھر اس سے ایک یہ بھی خیال کیا جاتا ہے۔ جب تمام احکامات شرع شریف سے آزاد رہ کر وہ اپنی بزرگی حاصل کر گئے تو پھر ولایت کے لیے اتباع شریعت ضروری نہیں؟ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ سب مولویوں کی اپنی بنائی ہوئی باتیں ہیں؟ معاذ اللہ!

یہ تمام اندازے، خیالات اور سوچ و فکر سراسر گمراہی ہیں۔ شیطان بے ایمان، امتِ مسلمہ کو گمراہ کرنے کے لیے جہاں اور بہت سے جال و ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے یہ لفظ قلندر کی بھی غلط تعریف کر کے لوگوں کو بے ایمان بناتا ہے۔ جہاں جہاں بھی اور جس ولیٔ با خدا کے نام کے ساتھ لفظ قلندر آیا ہے ہرگز ان کا حال ایسا نہ تھا۔ جیسا کہ آج کل ان بے راہ رو قلندروں کا ہے۔ یہ قلندر نہیں بلکہ بدمست قلندر ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت کو ان کی شرارتوں سے پناہ میں رکھے آمین۔

اب قلندر کی صحیح تعریف بھی سنیئے۔ لفظ صوفی اور قلندر میں کوئی نمایاں فرق نہیں۔ جس طرح صوفی کے معنی یہ ہیں کہ نہایت پاکباز، پابند شریعت، رات دن یاد الٰہی

میں مشغول رہنے والا، اسی طرح قلندر کے بھی یہ ہی معنی ہیں۔ تمامتر کتب تصوّف پڑھ جائیے گا قریب قریب یہ ہی معنی و مراد آپ کو قلندر و صوفی کے ملیں گے یا زیادہ سے زیادہ اتنا فرق پائیں گے کہ جن لوگوں پر حال طاری ہوا اور وہ غالب رہے یعنی غالب الحال ہیں وہ صوفی کامل کہلائے۔ جس طرح شروع زمانہ سے لے کر اب تک مختلف سلسلوں کے مشائخ عظام گزرے ہیں جن کے ذریعہ دین مبین کو چار چاند لگے۔

اور جن مشائخ عظام پر کوئی رفیع حال طاری ہوا اور وہ مغلوب ہوئے یعنی مغلوب الحال یا یوں کہیے کہ وہ غلبۂ حال کے سبب اپنی ظاہری حالت پر قائم نہ رہ سکے۔ جبکہ کوئی فعل خلافِ شرع اُن سے ہرگز سرزد نہ ہوا ہو تو اس نوع کے حضرات قلندر کہلائے جانے لگے۔

مگر یہ کہیں نہیں ملے گا کہ قلندر اسے کہتے ہیں جس کو شریعت کی پابندی معاف ہو گئی ہو۔ یہ بکواس اور جھوٹ و افترا ہے۔ معاذ اللہ، اگر قلندر ایسے ہی لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ کہ جنہوں نے شریعت مبارک کو خیرباد کہہ دیا اور نفس و شیطان کے حوالہ اپنے آپ کو کر دیا تو کیا ایسے فساق و فجار لوگوں سے خدا نے اپنے دین مبین کی اشاعت کا کام لیا؟ حالانکہ دین کی اشاعت کا کام حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے بعد ان کے صحیح جانشین جو ان کی کامل اتباع کرتے تھے ان پاک باز لوگوں سے یہ کام لیا گیا۔

اگر بالفرض محال ان فساق و فجار کو جو اپنے آپ کو قلندر کہلاتے ہیں ان کو صحیح مان لیا جائے تو پھر شریعت مبارک کی کیا حیثیت و عظمت باقی رہ جاتی ہے۔ دین اسلام پھر کس لائحۂ عمل کا نام ہے؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر کون سی تعلیم لے کر دنیا میں تشریف لائے۔ جس کے عام کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے پاک صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے تمام عمر شدائد و تکالیف کا سامنا کیا۔

خوب سمجھ لیجئے گا دین کے نام پر یہ صریح گمراہی ہے ہرگز ہرگز یہ بے راہروی قلندرانہ شان نہیں ہے بے دین ہیں، گمراہ ہیں، جو جتنا متبع سنّت ہو گا وہ اتنا ہی بڑا قلندر و صوفی ہو گا۔

اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ حضرت شہباز قلندر کون تھے؟ مختلف کتب تصوّف میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ اگرچہ اس درجہ شرح و بسط کے ساتھ تذکرہ نہیں مل سکا جتنا کہ اور اہل اللہ کا ملتا ہے۔ شاید یہ بھی ایک وجہ لوگوں کے حضرت کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی ہو۔

حضرت شہباز قلندر نوّر اللہ مرقدہٗ کے علاوہ اور بھی دیگر اہل اللہ کا تذکرہ آتا ہے جن کے پاک ناموں کے ساتھ قلندر لگا ہوا ہے۔ جس سے بخوبی بات واضح ہو جائے گی کہ جس طرح دیگر حضرات قلندر مشرب رکھنے کے ساتھ ساتھ پابند شرع، ولی کامل اور مقبول بارگاہ تھے۔ اسی طرح حضرت لعل شہباز قلندر بھی کامل ولی اللہ تھے۔ اب یہاں "تذکرہ صوفیائے پنجاب مؤلفہ جناب اعجاز الحق قدوسی" سے چند سطور حضرت کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں۔ جن سے حضرت کی سیرتِ پاک کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔

حضرت کا نام عثمان، والد کا نام سیّد کبیر تھا۔ آپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت شیخ عثمان مروندی لعل شہباز قلندر نور اللہ مرقدہٗ ۵۷۳ ہجری ۱۱۷۷ء میں مروند میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد حضرت بابا ابراہیم قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے شرف بیعت حاصل کیا اور ایک سال مختلف عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد انوار الٰہی سے اپنے قلب مبارک کو منوّر بنا کر خلافت حاصل کی۔

ایک عرصہ تک آپ شیخ منصور کی خدمت میں بھی حاضر رہے۔ اس کے بعد روحانی کسبِ کمال کے لیے آپ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں سیاحت کرتے رہے۔ اور مختلف اولیاء کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔

جن میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اور حضرت مخدوم جلال الدین بخاریؒ، شرّخ نوّر اللہ مرقدہم کے اسمائے گرامی آتے ہیں" کیا ان کاملین کا صحبت یافتہ بھی کبھی خلاف شرع امور میں مبتلا ہو سکتا ہے؟"

اسی کتاب میں آپ کو حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا

ملتانی نوراللہ مرقدہ کے خلفاء عظام کی فہرست میں بھی شمار کیا ہے۔ ممکن ہے حضرت بابا ابراہیم نوّر اللہ مرقدہ کے علاوہ آپ نے حضرت ملتانی قدس سرہ سے بھی اجازت و خلافت حاصل کی ہو۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں۔ کہ کیا اتنے اتنے بڑے اکابر اہل اللہ بھی کسی آزاد منش کو اپنا خلیفہ بنا سکتے ہیں۔ پھر قلندر کے معنی ان موجودہ آوارہ پھرنے والوں پر کیونکر صادق آسکتے ہیں۔

سیدنا حضرت شیخ الشیوخ العالم بابا فرید گنج شکر قدس اللہ سرہ کے مزار شریف کے سرہانے والی دیوار پر ایک شعر لکھا ہے۔ جن میں چار یاروں کا تذکرہ ہے ان میں "حاجی عثمان" کا نام نامی بھی ہے۔ لوگ ان سے حضرت عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت سلطان الہند غریب نواز سیدنا معین الدین چشتی نور اللہ مرقدہ کے پیر و مرشد ہیں مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ تاریخی غلطی ہے ان (حاجی عثمان) سے مراد اصل میں حضرت شیخ عثمان مروندی لعل شہباز قلندر نور اللہ مرقدہ ہیں جو حضرت بابا فرید گنج شکر کے ہمعصر تھے۔ حالانکہ حضرت عثمان ہرونی قدس اللہ سرہ تو حضرت بابا فرید نوّر اللہ مرقدہ سے ایک عرصہ پہلے وفات پاچکے تھے۔

چنانچہ اسی کتاب "تذکرہ صوفیائے پنجاب بر سبیل تذکرہ حضرت جلال الدین بخاری المعروف بہ جلال سُرخ قدس اللہ سرہ العزیز مؤلف "بحوالہ تحفۃ الکرام" فرماتے ہیں:۔

"سید جلال بخاری جنہیں جلال سُرخ کا لقب حاصل ہے وہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مُرید و یار ہیں۔ یہ بزرگ آپس میں چار یار کہلاتے ہیں (۱) شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (۲) شیخ فرید الدین گنج شکر (۳) سید عثمان مروندی لعل شہباز قلندر اور (۴) سیّد جلال سُرخ نوّر اللہ مرقدہ۔ قارئین ذرا انصاف فرمائیں کہ ان چار کاملین اور صوفیائے عظام میں ایک یار اس نوع کا قلندر کیسے ہو سکتا ہے۔ جس کی مثال یہ بدمست قلندر پیش کرتے ہیں۔

حضرت شہباز قلندر نوّر اللہ مرقدہ کی حضرت شیخ صدر الدین عارف نوّر اللہ مرقدہ سے بھی ملاقاتیں رہی ہیں۔ شیخ صدر الدین عارف نوّر اللہ مرقدہ، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نور اللہ مرقدہ کے صاحبزادے اور اپنے والد کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ آپ شیخ رکن الدین رکن عالم کے والد محترم ہیں۔

کیا ایسے کاملین و اکابر صوفیاء کے ملنے والے فسق و فجور میں مبتلا رہ سکتے ہیں؟ معاذ اللہ — آپ کو حضرت شرف الدین بوعلی قلندر نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بھی رہنا نصیب ہوا اور فیض باطنی کی دولت لازوال سے سرفرازی حاصل کی۔ آپ ہی کے گرانقدر مشورہ سے حضرت شہباز قلندر سندھ میں تشریف لائے۔ اور ایک عالم کو منوّر فرمایا۔

آخر میں آپ پر جذب و سکر کی کیفیت طاری ہوگئی معلوم ہوتا ہے۔ اسی کیفیت کے سبب لوگ آپ کو قلندر کہنے لگے۔ اس لیے کہ جذب و سکر کی کیفیت سے اہل اللہ پر ایک مستی چھا جاتی ہے۔ جس کے سبب وہ علائق دنیوی، عائلی زندگی سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حدود شرع کو پامال کر دیتے ہیں۔ بلکہ اس نوع کے جتنے بھی کاملین گزرے ہیں۔ آپ ان کے حالات میں یہ ہی کچھ پڑھیں گے کہ جب بھی نماز کا وقت ہوتا خادم ان حضرات کو اطلاع دیتے۔ اطلاع ملتے ہی توفیق خداوندی سے ہوش میں آتے اور نماز باجماعت ادا فرماتے۔ نیز نماز اور دیگر ارکان اسلام بغیر اپنی شرائط کے کیونکر ادا سمجھے جائیں گے؟ تو معلوم ہوا کہ اس مستی و جذب میں بھی وہ عبادات الٰہی کے اسی طرح پابند ہوتے تھے جس طرح ایک سالک ہوتا ہے۔ بعد ادائے نماز پھر وہی کیف و سرور، مستی و سرمستی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ جو اپنے اختیار کی بات نہیں۔ اس مستی کی کیفیت و لطف کو کون جان سکتا ہے۔

برٹن نے ہسٹری آف سندھ میں لکھا ہے۔ حضرت لعل شہباز قلندر بڑے عالم اور لسانیات اور صرف و نحو میں ماہر تھے۔ چنانچہ برٹن کے زمانہ ۱۸۵۲ء میں صرف و نحو کی جو کتابیں رائج تھیں۔ مثلاً میزان الصرف، صرف صغیر وہ آپ ہی سے منسوب کی جاتی ہیں۔"

ذرا موجودہ قلندروں سے کوئی کلمہ کے الفاظ تو صحیح سن لے، وضو کا صحیح طریقہ تو معلوم کرے — ظالم نہ غسل کے نہ وضو کے۔ شکلیں بھی منحوس نظر آتی ہیں۔ نہ ان کے چہروں پر نور نہ دلوں میں سرور عشق مارے مارے پھرتے ہیں۔ دنیا ہی میں طوق و سلاسل میں گرفتار رہتے ہیں۔ آخرت میں نہ معلوم کیا حشر ہوگا۔ پناہ بخدا!

آپ شعر و سخن سے بھی خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔ عثمان تخلص فرماتے تھے۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے اپنے مشہور تذکرے مقالات الشعرا میں آپ کی ایک غزل نقل کی ہے جو آج بھی اہل دل و اہل نظر کے لیے سرمایہ تسکین دل و جان ہے:۔

زعشق دوست ہر ساعت درون نار می رقصم
گہے بر خاک می غلطم گہے بر خار می رقصم
بیا اے مطرب مجلس سماع ذوق را دردہ
من از شادی وصلش قلندر وار می رقصم
شدم بدنام در عشقش بیا اے پارسا اکنوں
نمی ترسم ز رسوائی بہر بازار می رقصم
مرا خلقے ہمی گوید گدا چندین چہ می رقصی
بدل دارم اسرارے ازاں اسرار می رقصم
منم عثمان مروندی کہ یار خواجہ منصورم
ملامت می کند خلقے و من بردار می رقصم

مخدوم حضرت لعل شہباز قلندر نور اللہ مرقدہ نے ۲۱ شعبان ۶۷۲ھ مطابق ۱۲۷۴ء میں وفات پائی تخت دہلی پر اس وقت غیاث الدین متمکن تھے۔ جن کی وفات ۱۲۸۴ء میں ہوئی۔

حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار سندھ کے مشہور شہر سیون شریف میں واقع ہے۔ یہ شہر کوٹڑی جنکشن سے کوئٹہ جانے والی ریلوے لائن پر واقع ہے اس سے آگے لاڑکانہ کا شہر آتا ہے۔

آپ کا مزار مبارک آج بھی جب کہ آپ کی وفات شریفہ کو صدیاں گزر گئی ہیں مرجع خاص و عام ہے۔ فیروز شاہ تغلق کی حکومت کے زمانہ میں ملک رکن الدین عرف اختیار الدین والی سیوستان (موجودہ سیون شریف) نے آپ کا روضہ مبارک تعمیر کرایا۔ اس کے بعد ترخانی خاندان کے آخری بادشاہ مرزا جانی بیگ ترخان کے بیٹے میرزا غازی بیگ نے اپنی صوبیداری کے زمانہ میں اس کی مرمت کرائی اور اب موجودہ صدر مملکت پاکستان نے ایک موقع پر ایک لاکھ روپے مزار مبارک کے لیے دینے کا اعلان کیا ہے۔

ترخان خاندان کے حکمرانوں کی قبریں ٹھٹھے میں بھی ملتی ہیں جو ایک بہت وسیع و عریض تاریخی قبرستان میں واقع ہیں۔

حضرت شہباز لعل قلندر قدس اللہ سرہ نے حضرت بابا فرید گنج شکر نوّر اللہ مرقدہ سے سات سال بعد وفات پائی۔ حضرت بابا صاحب رحمہم اللہ نے ۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ میں پاک پتن شریف میں وفات پائی۔ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے دو یاروں نے جس میں حضرت شیخ الاسلام نور المشائخ محمد زکریا ملتانی قدس اللہ سرہ العزیز نے ملتان میں ۶۶۱ھ میں وفات پائی۔ گویا حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۲ سال پہلے وفات پائی۔ آپ کے تیسرے یار حضرت جلال الدین سرخ بخاری نوّر اللہ مرقدہ نے ۶۹۰ھ میں اُچ شریف میں وفات پائی۔ گویا حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۷ سال بعد آپ کی وفات ہوئی۔ نوّر اللہ مرقدھم۔

ایک اہم بات

مزارات اہل اللہ پر جو کچھ خلاف شرع امور دیکھنے میں آتے ہیں۔ بہر حال وہ ممنوعات شرعیہ میں سے ہیں کسی طرح سے وہ نیکی و جائز امور نہیں کہلائے جاسکتے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ شریعت مطہرہ کا پاس رکھنے والے ایسی مبارک جگہوں پر جانا ہی ترک کر دیں۔ یہ بڑی ہی محرومی کی بات ہے۔ مزاراتِ اہل اللہ پر جانا سعادت ہے، برکات و انوارات نصیب ہوتے ہیں۔ جب عام قبور پر جانا مسنون ہے، والدین کی قبروں کی زیارت مسنون ہے، تو جو دین کے رشتہ سے ہر اعتبار سے فوقیت رکھتے ہوں ان کی حاضری دینا بدرجہ اولیٰ ثواب ہے۔ جب سے مزارات پر منکرات کی کثرت دیکھنے میں آئی ہے۔ اہل تقویٰ نے وہاں کی حاضری یا تو کلیتہً ترک کر دی یا پھر نہ ہونے کے برابر رہی۔ پھر یہ شکوہ کہ وہاں غلط قسم کے لوگوں نے قبضہ کر لیا عبث ہے۔ جب اچھوں نے جانا چھوڑ دیا۔ پھر بُرے ہی قابض ہوں گے۔ ایسی باتوں کو بُرا جانے اور زیارت کو ضرور جائیے۔ جتنا ہو سکے وہاں صاحب قبر کے لیے قرآن شریف میں سے جتنا ہو سکے پڑھے۔ جتنا ثواب صاحب قبر کو ملے گا اتنا ہی مزید منجانب الٰہی پڑھنے والے کو ملے گا۔

بقیہ : احادیث الرسولؐ

کے پیشِ نظر مَیں نے اجازت دے دی ہے ورنہ تو ہر نماز کے لئے جدید وضو کا حکم ہو جاتا ۔

دوسری بات مسواک کی فرمائی ۔ اور آپ نے ملاحظ کر لیا کہ ۲ رکعت مسواک کے ساتھ ۲۷ رکعت بغیر مسواک سے افضل ہیں ۔ بعض ائمہ کے نزدیک مسواک نماز کی سنت ہے وضو کی نہیں ـــــ لیکن سراج الامت حضرت امام ابو حنیفہ قدس سرہ کے نزدیک مسواک وضو کی سنت ہے ۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ کے دلائل اپنی جگہ بڑے مضبوط اور مستحکم ہیں ۔ خود یہی روایات ان کی دلیل ہیں ۔

بہر حال مسواک کے دنیوی اور اخروی فوائد بے پناہ ہیں ۔ طب قدیم و جدید اس کی افادیت پر متفق ہے اور مختلف النوع ٹوتھ پیسٹ اور منجن وغیرہ وہ فوائد بہم نہیں پہنچاتے جو سبز مسواک فائدہ پہنچاتی ہے ۔ دانتوں کی صفائی ان کا حسن و نکھار جہاں اس سے قائم رہتا ہے وہاں مسواک پر مداومت کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے مرتے وقت کلمہ کی موت مرے گا اور اسے کلمہ ایمان نصیب ہوگا ۔

یہ صحیح ہے کہ رحمت دو عالم علیہ السلام نے یہاں بھی امت کی مشقت کا لحاظ فرمایا لیکن اس کی جو برکات ہیں ان کے پیش نظر افراد امت کو اس کا لحاظ کر کے اپنے پیارے نبی علیہ السلام کے اسوہ و خوشنودی کا لحاظ رکھنا چاہیئے ـــــ اللہ تعالیٰ توفیق عمل دے ۔ آمین !

بقیہ : مولانا امین الحق رح

تو بزرگوں کی کرامات کے قائل ہی نہیں ہوتے ؟ کہا جی کس طرح قائل نہیں ؟ مٹی جو لے آیا ہوں تم بھی سونگھ لو ۔"

مجلس ذکر شیرانوالہ لاہور

۱۸ر مارچ ۱۹۷۱ء

○ "صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جنازہ باہر لایا گیا ساڑھے تین روپے کا اثاثہ تھا ابوبکرؓ کے گھر ہیں ۔ دو سال خلیفہ رہے ہیں ۔ اگر آج کوئی دو سال پٹواری رہا ہو تو اس کا سامان دو ٹرک بھی نہیں اٹھا سکتے ۔ حضرت عمرؓ نے دیکھ کر فرمایا ۔ ابوبکرؓ ! تم نے میرے لئے معاملہ بڑا مشکل بنا دیا ہے ۔"

مجلس ذکر شیرانوالہ لاہور

۲ر اپریل ۱۹۷۱ء

☆

حضرت مولانا حسین احمدؒ سے میری ملاقات

ڈاکٹر محمد اشرف صاحب

کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک راسخ العقیدہ کمیونسٹ ایک حنفی المذہب عالمِ دین کے بارے میں لکھے اور پھر عالمِ دین بھی حضرت مولانا حسین احمد جیسے مرتبہ کا جو بیک وقت دارالعلوم دیوبند جیسی بلند پایہ درسگاہ کا شیخ الحدیث اور ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا ممتاز رہنما رہا ہو ۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ کمیونسٹ بھی اسی مخصوص دَور کی پیداوار ہیں جس میں علمائے دین محراب و منبر چھوڑ کر دار و رسن کا سبق دہراتے ہیں ۔ اور اس اعتبار سے بقول غالبؔ کعبہ سے ان بتوں کو بھی دُور کی نسبت ہو جاتی ہے اتفاق یہ کہ میری دیوبند اور حضرت مولانا حسین احمد سے یہ نسبت دُور کی نہیں بلکہ قریب کی ہے ۔ مگر اس کی تشریح کے لیے مجھے خود اپنے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کہنا پڑے گا ۔

میری عمر غالباً ۱۲ برس کے قریب ہوگی کہ مراد آباد مسلم اسکول کے ایک استاد مسمّی اصطفا کریم نے مجھے کلام اللہ کا درس دینا شروع کیا ۔ ابتدا پارہ عمّ یا سورہ بقرہ سے نہیں بلکہ سورۃ صف اور سورۃ جمعہ سے ہوئی اور درس کا منشا محض اس قدر تھا کہ مَیں جہاد کی تعلیم اور جدوجہد آزادی کے سلسلہ میں اپنے فرائض سے باخبر ہو جاؤں اسی مقصد کے لیے تھوڑے دن بعد ایک خفیہ جماعت حزب اللہ کے نام سے بنی ۔ اور مَیں نے اس میں شریک ہو کر جہاد کا حلف لے لیا ۔ اب مجھے پتہ چلا کہ اصطفا کریم صاحب نے علی گڑھ سے بی، اے پاس کرنے کے بعد نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں مولانا عبید اللہ صاحب سے تفسیر قرآن کا درس لیا تھا اور یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی سیاسی تحریک سے وابستہ ہیں ۔ یوں سمجھئے کہ حضرت مولانا حسین احمد سے بھی میرا بالواسطہ غائبانہ تعارف ہو گیا ۔ بالآخر جنگ عظیم کے بعد حضرت مولانا محمود الحسن مالٹا سے ہندوستان واپس آئے اور جب تحریک ترک موالات کی ابتدا میں جامعہ ملیہ کی بنیاد ڈالنے کے لیے علی گڑھ کالج وارد ہوئے تو مَیں ان کی خدمت میں حاضر رہا ۔ اس کے بعد جامعہ کی زندگی میں مجھے خواجہ عبد الحی کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا ۔ جو اصطفا کریم صاحب کی طرح مولانا عبید اللہ کے شاگرد رہے تھے ۔ واقعہ یہ بھی ہے کہ خواجہ صاحب کی تفسیر قرآن کی ترتیب و اشاعت بھی میرے ذمہ تھی ۔ ۱۹۲۷ء میں وکالت کے خیال سے جب مَیں اپنے راجپوت عزیزوں کے پاس ضلع مظفر نگر پہنچا تو مجھے حضرت مولانا حسین احمد کے بعض عقیدتمندوں سے مولانا کی زندگی کے حالات معلوم ہوئے ۔ شاید کم لوگوں کو اس کا علم ہوگا کہ مرحوم نے بچپن سے ہی جہاد کی تیاری شروع کر دی تھی اور نوجوانی میں ان کا معمول تھا کہ مئی جون کی تپتی دھوپ میں گھنٹوں ریت یا پتھر کے فرش پر چلا کرتے تھے اور جاڑوں کی کڑاکے کی سردی میں نیم برہنہ بیٹھے رہتے تھے ۔ بعض دوستوں نے جب اس لاابالی پن کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ آئندہ جیلوں میں اس سے زیادہ سختیاں بھگتنی پڑیں گی ۔ غرضیکہ مجھے مولانا مرحوم کے خصائل کا علم ہو گیا مگر ابھی تک ملاقات کا شرف حاصل نہ ہُوا تھا ۔

۱۹۳۶ء میں جب مَیں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ممبر اور صوبہ متحدہ کانگریس کی مجلس عاملہ کا رکن منتخب ہُوا تو مولانا حسین احمد کو ایک رفیقِ کار اور ساتھی کی حیثیت سے دیکھنے کا موقع ملا ۔ مسلمانانِ ہند کی زندگی میں اس سے زیادہ صبر آزما دن کم آئے ہوں گے جب عملاً بے دین اور اعلانیہ بدعقیدہ قائدین اصغر و اعظم علماء دین کے احتساب کے لیے متعین ہو گئے

- - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - -
- - - - - - - حضرت حسین احمد کا عزم و استقلال، ان کا سکون و صبر، ان کا بے مثال تحمل ہمیشہ یاد رہے گا میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اب تک ہم نے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا حال صرف کتابوں میں پڑھا تھا اب بلال و عمار کے نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ حضرت مولانا کے ساتھ رہنے کا اتفاق البتہ مجھے اب تک نصیب نہ ہوا تھا۔

۱۹۴۶ء میں یہ خوش نصیبی بھی میسر ہوئی ہوا یہ کہ جب مسلم لیگ نے پاکستان کا نعرہ لگایا اور مسلمان عوام کا عام رجحان مسلم لیگ کی طرف ہو گیا تو کمیونسٹ پارٹی کو مسلمان سوال کی نوعیت اور اس کے تاریخی پس منظر پر سوچنا پڑا۔ اور مجھے اس کام پر مقرر کیا گیا کہ اس کے بارے میں ایک رپورٹ پیش کروں۔ میں اس مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں دیوبند بھی حاضر ہوا بلکہ حضرت مولانا کی دعوت پر خود ان کے مہمان خانہ میں فروکش ہو گیا۔ محراب و منبر کے جلوے تو میں نے اس سے پہلے بھی دیکھے تھے "خلوت" کے مطالعہ کا موقعہ اب ملا۔

جنگ عظیم کے بعد اشیاء کی گرانی مولانا کی قلیل آمدنی، بلیک مارکیٹ کا زور مگر اس سے حضرت مولانا کی مہمان نوازی میں کیا فرق آسکتا تھا اور جب مجھ جیسے نسبتاً انجان اور بے دین کو مولانا نے باصرار اپنے مکان میں ٹھہرایا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ سیاست، رشتہ داری، دوستی اور درس و تدریس کے واسطے سے مہمانوں کا کیا ہجوم رہتا ہو گا۔ جب میں مولانا کی رہائش گاہ پر پہنچا تو ۱۸ مہمانوں کا قافلہ پہلے ہی موجود تھا۔ چنانچہ میں نے بھی مہمانوں کے بڑے کمرہ میں ایک چارپائی پر بستر لگا دیا ——

دینداروں کے معمولات سے میں یوں بھی گھبراتا ہوں مگر پہلے دو دن میرے اوپر واقعی بڑے سخت گزرے۔ نماز پنجگانہ تک تو خیر میں صبر کر لیتا مگر مولانا کے یہاں تقریباً سب "قائم اللیل" تھے۔ کیفیت یہ کہ عشاء کی نماز کے بعد میں بہ مشکل گھنٹہ بھر سویا ہوں گا کہ کسی کونہ سے تکبیر بالجہر بلند ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے آس پاس کوئی ذکر خفی میں منہمک ہے تو کوئی تسبیح وظیفہ میں۔ تھوڑی دیر میں یہ حضرات تہجد کے لیے اُٹھ بیٹھے۔ پھر فجر سے پہلے اور بعد قرآن پاک کی تلاوت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جب دوسری رات بھی اسی کیفیت کی نذر ہوئی تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے سے میری عاقبت درست ہو یا نہ ہو مگر میری صحت کو خطرہ ضرور لاحق ہو چلا ہے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور تیسرے دن سے مجھے ایک علیحدہ اور آرام دہ کمرہ مل گیا۔ یعنی اب میں اسی آزادی سے اپنے کمرہ میں رہتا تھا جو مجھے اپنے گھر حاصل تھی۔

چنانچہ میں نے مواد کی فراہمی کا وہ کام جس کے لیے میں حاضر ہوا تھا شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں مجھے دیوبند کی مجاہدانہ تاریخ کے بہت سے نئے واقعات کا علم ہوا۔

دیوبند کے قیام کی غالباً چوتھی شام تھی کہ میں اپنے بستر پر دراز تھا رات کے دس بج چکے تھے۔ گھومنے پھرنے کی وجہ سے کچھ تھکن زیادہ تھی۔ چنانچہ لیمپ گل کیا اور سونے لگا۔ دروازہ کھلا رہتا تھا۔ مجھے کچھ غنودگی سی تھی کہ میں نے ایک ہاتھ اپنے ٹخنہ پر محسوس کیا پھر دونوں ہاتھوں سے کسی نے میرے پاؤں دبانا شروع کر دیے میں چوکنا ہو گیا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا بہ نفس نفیس اس گنہگار کے پاؤں دبانے میں مصروف ہیں۔ میری بدحواسی، حیرانی اور شرمندگی کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں میں نے پاؤں جلد جلد سکیڑے اور بڑے ادب اور لجاجت سے حضرت کو روکا۔ مولانا نے اس پر حسرت سے فرمایا۔ کہ "آپ مجھے اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ آپ جیسے مہمان کی خدمت کر سکوں"۔ مجھ پر اس ارشاد کے بعد جو گزری میرے لیے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ میں بارہ برس بعد آج پہلی بار اس واقعہ کا انکشاف کر رہا ہوں۔ اور اگر حضرت زندہ ہوتے تو اس راز کو فاش کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ ان کی فراخدلی اور ان کے اخلاق کا یہ ادنیٰ نمونہ تھا۔

دوسرے دن حضرت نے دن کا اکثر حصہ میرے ساتھ بسر کیا اور سہ پہر کو حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی قبر پر فاتحہ کے لیے لے گئے۔ قبر کے ارد گرد اس وقت ایک دو بکریاں چر رہی تھیں کسی قسم کا کوئی امتیازی نشان یا پختہ تعمیر قبر پر نہ تھی اور اگر مجھے یہ نہ بتایا جاتا کہ صاحبِ قبر کون ہے تو مجھے اس کا گمان بھی نہ ہوتا کہ بانیٔ دارالعلوم یہاں دفن ہے۔ میں بڑی دیر تک خاموش کھڑا سوچتا رہا۔ اور جب تسکین نہ ہوئی تو دوسرے دن اکیلا پھر حاضر ہوا۔ مجھے اس سے پہلے بھی ایک قبر نے متاثر کیا تھا اور دونوں قبروں میں ایک گونہ مشابہت تھی۔ آپ کو غالباً یہ سن کر تعجب ہو گا کہ لندن کے ایک قبرستان (ہائی گیٹ سمٹری) کے گمنام گوشہ میں کارل مارکس بھی اسی شان سے دفن ہے کہ نہ کوئی آرائش ہے نہ زیبائش بڑی تلاش اور تجسس سے اس کے مدفن

کا پتہ چلتا ہے۔ میں ان دونوں قبروں کو قابل احترام سمجھتا ہوں۔

وفات سے چند ماہ قبل میں سوویٹ روس کے چند عالموں کے ساتھ دیوبند مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ آزادی کا زمانہ تھا مگر اس آزادی کے ساتھ تقسیم وطن کی بھی آئی تھی۔ صوبہ متحدہ کے مغربی اضلاع میں (یعنی جہاں دیوبند واقع ہوا ہے) تقسیم وطن کے معنی مسلمانوں کی تباہی و بربادی، بلکہ کہیں کہیں قتل و غارت کے تھے اور ہر نوع جو طبقہ دیوبند کی پشت پناہ تھا وہ اقتصادی اعتبار سے مفلوج ہو گیا۔

حضرت مولانا یوں بھی خاموش طبیعت تھے۔ مگر اس زمانہ میں میں نے انہیں کسی قدر مغموم پایا۔ وہ میری نجی پریشانیوں، انگلستان کے میرے قیام اور میری علالت سے باخبر تھے۔ چنانچہ دیر تک میری صحت اور خانگی حالات کے بارے میں دریافت فرماتے رہے میں نے ازراہِ مزاح پوچھا کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے صرف حکومتِ برطانیہ کی امداد لینے سے دارالعلوم کو منع کیا تھا۔ آپ نے اپنی آزاد حکومت ہند کے اعزاز کو قبول کرنے سے کیوں انکار فرمایا؟ تبسم فرما کر خاموش ہو گئے ـــ میں البتہ اس تبسم کی تلخیاں محسوس کر رہا تھا ؎

گل چہ داند کہ درد بلبل چیست
او ہمی کار رنگ و بو داند!

دیوبند جانے کا مقصد دراصل روس کے مشہور مستشرق مسٹر دیاکوف کو حضرت مولانا سے ملانا تھا۔ دیاکوف پہلی بار ہندوستان آئے تھے مگر اردو فصیح بولتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اردو میں دیوبند میں تقریر بھی کی۔ ہم جب شام کو لوٹنے لگے تو حضرت نے "نقشِ حیات" کا ایک نسخہ مجھے عطا فرمایا اور سینہ سے لگا کر رخصت کیا۔ میں نقشِ حیات کو اب جب کبھی تبرکاً پڑھتا ہوں تو ہندوستان کی پرانی اور حالیہ تاریخ کا ایک پورا مرقع میری آنکھوں کے سامنے سے پھر جاتا ہے اور جنگِ آزادی کی صف میں حضرت مولانا کو میں حضرت اسمٰعیل شہید، مولوی احمد اللہ، مہاتما گاندھی، مولانا محمود الحسن، عبید اللہ سندھی، حسرت موہانی، سردار بھگت سنگھ جیسے انقلابی مجاہدوں کے ساتھ پاتا ہوں ہم کمیونسٹ بھی ان ہی روایتوں کے وارث ہیں اور ان کی جانب سے میں بھی اس موقعہ پر عقیدت کی ادنیٰ نذر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چند سطریں اسی لیے ارسالِ خدمت ہیں ؎

مسافرانِ طریقت از من جدا مشو
کہ دور بینم و چشمم بہ منزل افتادہ است

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریمِ کبریا سے آشنا کر

بقیہ : عظمت کے مینار

جیسا فرماتے ہیں ویسا کرو۔ جانتے نہیں ہو کہ یہ قوم کے جید عالم امام اعظم ابو حنیفہ ہیں۔ اس نے جب حضرت امام اعظمؒ کا نام سنا تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور بڑی بے دلی سے کپڑا واپس کیا اور دام لے لیے۔ امام اعظمؒ نے کپڑے کا تھان اس کے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا:-

"بھائی! یہ کپڑے کا تھان میری طرف سے بطور تحفہ قبول کر لو۔ میں نے دام اس لیے واپس کیے ہیں۔ کیونکہ اس کپڑے میں کچھ عیب تھا جو فروخت کے وقت لڑکے نے تم پر واضح نہ کیا اور دام بھی زیادہ لے لیے۔"

حضرت امام اعظمؒ نے تھان اسے تھما دیا۔ لوگوں نے عرض کی۔ حضرت! ہمیں کچھ نصیحت فرمائیے ـــ

ارشاد ہوا:-

"لوگو! کاروبار میں رتی بھر بے ایمانی نہ

عظمت کے مینار

احترامِ آدمیت، کاروباری دیانت

تحریر: صالحہ محمد صدیق

احترامِ آدمیت

حضرت شفیق بلخی فرماتے ہیں۔ ایک دن میں اور حضرت ابوحنیفہ چلے جا رہے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سیدھا ہماری طرف چلا آرہا ہے۔ جب وہ قریب پہنچا تو جھٹ سے ایک گلی میں مڑ گیا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اسے آواز دی اور فرمایا۔ بھائی! اپنا راستہ کیوں بدلتے ہو ہم راستے سے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ شخص حضرت امام صاحب کی آواز سن کر پلٹا اور قریب پہنچ کر منت پذیرانہ لہجے میں یوں گویا ہوا۔ حضرت! میں شرمندہ ہوں۔ اس لیے میں نے راستہ بدل لیا تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ شرمندگی کس بات کی۔؟ اس شخص نے جواب دیا۔ حضرت! میں نے آپ سے دس ہزار روپے کا قرض کاروباری تقاضے پورے کرنے کے لیے لیا تھا۔ سخت نادم ہوں کہ میں وقتِ مقررہ پر رقم آپ کو نہ پہنچا سکا۔ آپ کو سامنے سے آتا دیکھ کر سخت خفت ہوئی۔ اس لیے میں نے راستہ تبدیل کر لیا۔

حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا۔ بھائی! میں نے دس ہزار روپے تمہیں ہبہ کر دیے۔ اس شخص کے پژمردہ چہرے پر خوشی کی سرسوں پھول اٹھی۔ وہ بولا۔ حضرت! میں آپ کا احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔ جب وہ رخصت ہونے لگا تو حضرت امام اعظمؒ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ بھائی! مجھے دیکھ کر آپ کو جو شرمندگی ہوئی تھی۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ یہ سن کر اس شخص کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ حضرت شفیق بلخی فرماتے ہیں۔ میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ جود و سخا کے ساتھ احترامِ آدمیت کا جذبہ دیکھ کر میں دیر تک ان کی حالت پر رشک کرتا رہا۔

کاروبار میں دیانت

ایک دن حضرت امام ابوحنیفہ کسی کام سے تشریف لے جا رہے تھے۔ دُکان پر ایک شاگرد کو بٹھا کر گئے اور اسے ہدایت کر دی کہ جب کوئی شخص کپڑا خریدنے آئے تو اس کپڑے کا عیب اسے بتا دینا اور اس کے بعد اس سے دام وصول کرنا۔ ان کے جانے کے بعد ایک بدو عرب آیا۔ اور اس نے وہی کپڑا پسند کیا جس میں عیب تھا۔ شاگرد عیب بتانا بھول گیا۔ اس نے جو قیمت بتائی بدو نے ادا کر دی اور کپڑا لے کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت امام اعظمؒ بھی تشریف لے آئے شاگرد نے رقم ان کے سامنے رکھ دی۔ انہوں نے جب حساب کیا تو رقم مقررہ دام سے زیادہ تھی حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا۔ بیٹے! تو نے ظلم کیا حق تعالیٰ ظالموں کو معاف نہیں فرماتے۔ پھر اس بدو عرب کا حلیہ معلوم کر کے اس کی تلاش میں نکلے۔ تلاش کرنے پر پتہ چلا وہ بدو عرب ایک قافلے کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہو گیا ہے۔ حضرت امام اعظمؒ اس کے پیچھے پیچھے مکہ مکرمہ کو چل دیے کئی دنوں کی مسافت کے بعد مکہ مکرمہ پہنچے۔ خانہ کعبہ میں اس عرب کو طواف کرتے ہوئے جا لیا۔ اس کی بغل میں کپڑے کا تھان بھی تھا۔ حضرت امام اعظمؒ نے پوچھا۔ کیوں بھئی! یہ کپڑا تم نے کہاں سے خریدا؟ اس نے جواب دیا۔ بازار سے۔ حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا یہ کپڑا واپس کر دو۔ اس بدو نے یہ سمجھا کہ کپڑا مہنگا تھا لڑکے نے غلطی سے سستا دے دیا ہے اور یہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ اس نے شور مچا دیا میں دام دے کر یہ کپڑا خرید کر لایا ہوں میں ہرگز واپس نہ کروں گا۔ کچھ لوگ جمع ہو گئے اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ بدو سے کہنے لگے۔ حضرت امام اعظم

(باقی ۲۱ پر)

بچوں کا صفحہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

حبیب اللہ، لاہور

برصغیر پاک و ہند میں دینِ مبین کا پرچم بلند کرنے کے لئے جن عظیم شخصیتوں نے اپنے شب و روز وقف کر دیے۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ کا نام ان میں سرِ فہرست ہے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی سرکردگی میں آپ نے اس خطے سے جو برطانوی سامراج کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا اپنی مجاہدانہ زندگی کا آغاز بڑے جوش و خروش سے کیا اور ایک سربکف مجاہد کی طرح میدانِ عمل میں کود پڑے۔

آپ کا نعرۂ حریت انگریز اور اس کے کاسہ لیسوں کے لئے پیامِ مرگ ثابت ہوا۔ آپ نے اس وقت نعرۂ حق بلند کیا جب انگریزی حکومت کا آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا اور ان حالات میں حق کی آواز بلند کرنا موت کو آواز دینے کے مترادف تھا۔

آپ پر ہر قسم کے جور و ستم ڈھائے گئے۔ آپ کئی مرتبہ گرفتار ہوئے۔ آپ کو برف کی سلوں پر لٹایا گیا۔ آزادی کی خاطر گھر بار چھوڑنا پڑا۔ ان تمام حالات کے باوجود آپ کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ حضرت لاہوریؒ کی نصف صدی پر محیط جد و جہد کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ ان کے اثرات پورے ایشیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی تفسیر کے تراجم کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ آپ علم کا جیتا جاگتا روشن مینار تھے۔

الغرض آپ کی تمام زندگی جہدِ مسلسل کی آئینہ دار تھی۔ زہد و فقر و فاقہ کا بچپن ہی سے ذوق تھا۔ بچپن میں آپ نے نشانہ بازی اور تیراکی کی تربیت بھی حاصل کی تھی۔

آپ کی خانقاہ عالیہ قادریہ راشدیہ سے آج بھی رُشد و ہدایت کے چشمے جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو ہمیشہ قائم دائم رکھے۔ آمین

بچوں میں پہلا مسلمان

بشریٰ منور، لاہور

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی ہونے کا اعلان کیا تو آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ ایک دن آپ نے اللہ کے حکم سے اپنے خاندان (بنی ہاشم) کے لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا۔ جب تمام لوگ کھانا کھا چکے تو آپ نے ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کیں۔ پھر فرمایا "تم میں کون ہے جو اس نیک کام میں میری مدد کرے"۔ خاندان کے سب بڑے بڑے سردار خاموش بیٹھے رہے، کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرت علیؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی تھے۔ ان کی عمر اس وقت ان کی عمر نو دس کے لگ بھگ ہو گی۔ آپ نے جب دیکھا کہ خاندان کے سب بڑے بڑے سردار

(باقی ۳۴ پر)

پیارے بچو! اپنے صفحے کے لئے اچھی کہانیاں، مضامین اور نظمیں بھیجئے۔ معیاری ہونے پر ضرور شائع کی جائیں گی۔ (ادارہ)

انسانیت کے محسنِ اعظم

عارف محمود۔ لاہور

محسن کون؟

یوں تو دنیا میں بے شمار لوگ گزرے ہیں۔ جنہیں اپنے زندہ و جاوید کارناموں کی بدولت لازوال شہرت نصیب ہوئی۔

کسی نے تمام دنیا کو تہ و بالا کرکے اپنی فتح وظفر کے پھریرے لہرائے تو کسی نے علم و حکمت کو اپنی کاوشوں سے تابندگی بخشی، کسی نے جہانبانی میں اپنا زور کمال صرف کیا تو کسی نے اپنی عجیب و غریب ایجادوں سے تمام دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ان میں سے کتنے ایسے ہیں جنہوں نے اپنے اغراض اور اپنے ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر محض اور محض انسانیت کی خدمت کی؟ انہوں نے حیوانیت کو طرح طرح کے ہتھیاروں سے مسلح تو کر دیا مگر اس کے نیچے سسکتی ہوئی انسانیت کے لیے کیا کیا؟

نفس پرست طائفہ

کیا ان شہنشاہوں نے اس لیے دنیا کو اپنی خونخوار تلوار کے گھاٹ اتارا کہ اس طرح وہ دکھی انسانیت کی خدمت کرنا چاہتے تھے کیا علم و حکمت کے مسند نشینوں نے اپنی علمیت جتانے اور محض خیالاتی تصورات کے پکانے کے علاوہ بھی دنیا کے لیے کچھ کیا؟ کیا ان موجدوں نے انسانی اوصاف و کمالات کو چمکانے اور ابھارنے کے لیے نئی نئی چیزیں ایجاد کیں؟ ان عظیم لوگوں کے کردار ہمیں اس سوال کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔ ان کے کارناموں کی تہ میں اپنے ذاتی مفاد کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

انسانوں کے ہمدرد اور سچے خیرخواہ

ہاں مگر دنیا میں ایک ایسا گروہ بھی ہے کہ جنہوں نے اپنی ذات سے بلند ہو کر کام کیا۔ اپنی خواہشات کے لیے نہیں بلکہ بنی نوع انسان کے لیے محنتیں اور مشقتیں اٹھائیں ان کی شب و روز کی کوششیں اس لیے نہ تھیں کہ وہ اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل چاہتے ہوں بلکہ محض اور محض خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر انہوں نے وہ سب کچھ کیا جس کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ لوگوں کے ہاتھوں سے ماریں کھائیں۔ قتل ہوئے، پیٹے گئے، طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار کیے گئے مگر انسانوں کا یہ مقدس گروہ اپنی جگہ پر اس طرح ثابت قدم رہا کہ انہیں مخالفین کی کوئی بڑی سے بڑی حرکت بھی اپنی جگہ اور اپنے مقام سے نہ ہٹا سکی۔ اور پھر اسی حالت بیچارگی میں ہی دنیائے فانی کو الوداع کہہ گئے اور ان کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ ہم اس مقدس گروہ کے صرف چند بزرگوں کے نام ہی جانتے ہیں وہ بھی اس لیے کہ ان کی دعوت کو قبولیت عام کا شرف حاصل ہوا — ورنہ اکثریت ایسی تھی کہ جنہیں اول تو کوئی مانتے والا ہی نہ ملا۔ اور بعض ایسے ہیں جنہیں ایک کی امامت ہی مل سکی۔ کسی کو صرف دو آدمیوں نے مانا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ان کی شہرت کا تو یہ عالم تھا اور دنیوی حقیقت یہ تھی کہ بجز دو چار کے اکثریت کی زندگی فقیری اور غربت کی حالت میں بسر ہوئی۔ بایں ہمہ انہوں نے اپنی کوششوں سے انسانوں کی وحشت کو متمدن اخلاق سے، تندی و ترشی کو مروّت و حسن معاملہ سے اور ظلم و جور کو عدل و انصاف سے، درندگی و بہیمیت کو اخلاق فاضلہ سے بدل ڈالا۔ اسی گروہ کو انبیاء کا گروہ کہا جاتا ہے صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ان کی خدماتِ جلیلہ

یہ گروہ ایسا ہے کہ جس نے گو مادی دنیا کے لیے تو کچھ نہ کیا مگر روحانی دنیا میں ایسی ایسی ایجادیں کیں کہ آج تک بیقرار دل اور مضطرب روح انہی کی تعلیمات میں چین اور سکون پاتی ہے۔

انہوں نے گو صناعی و حرفت میں اپنے کمال کا جوہر نہیں دکھایا مگر ٹوٹی پھوٹی اور خستہ حال انسانیت کی اس طرح عجیب و باکمال تعمیر کی کہ آج تک اس عمارت کی حسن و خوبی دلوں کو شیفتہ کیے دیتی ہے۔

گو وہ تلوار کے زور سے دنیا کی کایا نہیں پلٹ سکے مگر اپنی سحر آفریں باتوں اور صدق و صفا سے لبریز تعلیمات سے سوئی ہوئی روح کو بیدار کر گئے۔

ان کے مکتب گو افلاطون اور ارسطو پیدا نہ کر سکے مگر لوگوں کی ایسی تربیت کر گئے کہ افلاطون اور ارسطو کو سبق سکھا سکیں۔

بلاشبہ انبیاء کے اس گروہ کی قربانیوں اور کوششوں کو فراموش کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ہمارا خود اپنی ہی انسانیت کو بھلا دینا۔

وہ آج کے دور میں

جب تک انسان میں انسانیت باقی ہے۔ اس وقت تک ان بزرگوں کی تعلیمات دنیا کے لیے، امن و سلامتی کا پیام لاتی رہیں گی۔ مگر جوں ہی ہماری انسانیت ختم ہوئی اور اس کی جگہ درندگی اور بہیمیت نے لے لی۔ تو پھر ہمیں ایسے بزرگوں کا نام لے کر ان کی توہین نہیں کرنی چاہیے۔

ان کی تعلیمات، جیسا کہ ان کے زمانے میں امن و سلامتی رشد و ہدایت کا سامان لیے ہوئے تھیں اسی طرح آج بھی انسانیت کے وہی جوہر گرانمایہ اپنی آغوش میں لیے ہمیں دعوت دے رہی ہیں۔

انسانوں کو ان کی تعلیمات کی ضرورت ہے

اس مادی دور میں ان کی ضرورت کم نہیں ہوئی۔ بلکہ نئی نئی اختراعات نے ان کی یاد اور شدت سے تازہ کر دی — جرمن کا حکیم گسلر کہتا ہے:

"مذہب ابدی چیز ہے کیونکہ مذہب جس چیز کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانہ میں معدوم نہیں ہو سکتی"

فرانس کا مشہور فاضل معلم رینان (جو مذہب کا پابند نہ تھا) اپنی کتاب تاریخ مذاہب میں لکھتا ہے:

"یہ ممکن ہے کہ کل وہ چیزیں جن کو ہم محبوب رکھتے ہیں اور کل وہ چیزیں جو لذائذ زندگی میں محبوب ہیں مٹ جائیں لیکن یہ ناممکن ہے، کہ مذہب دنیا سے معدوم ہو جائے یا اس کی قوت میں زوال آ جائے۔ وہ ہمیشہ اس بات کا علانیہ ثبوت دے گا کہ مادی مذہب (میٹرسٹ) بالکل غلط ہے۔ جو یہ چاہتا ہے کہ انسان کی دماغی قوت اس سبب سے خاکی زندگی تک محدود رہ جائے۔"

(الکلام علامہ شبلی بحوالہ الدیانۃ الاسلامیہ صہ ۲۴-۲۵)

پروفیسر سبیۃ (SABAT-R) فلسفہ دینیہ میں لکھتا ہے:

"میں کیوں پابند مذہب ہوں؟ اس لیے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ پابند مذہب ہونا میری ذاتیات میں ہے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ وراثت یا تربیت مزاج کا نتیجہ ہے۔ میں نے خود اپنی رائے پر یہی اعتراض کیا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل نہیں ہوتا۔ مذہب کی ضرورت جس قدر مجھ کو اپنی ذاتی زندگی کے لیے ہے۔ اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے۔ مذہب کے شاخ و برگ ہزاروں دفعہ کاٹے گئے لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے۔ اور اس نے نئے برگ و بار پیدا کر لیے ہیں اس بناء پر مذہب ابدی چیز ہے۔ جو کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔ مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہیں انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوتی ہے۔ اور اسی سے قوت پائے گی۔"

(الکلام علامہ شبلی، صہ ۱۵۵)

الغرض دنیا میں جو کچھ اخلاقی نظم و نسق موجود ہے وہ صرف اور صرف انہی مقدس ہستیوں کی تعلیمات کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اگر تعلیم و تمدن پر مدار ہوتا تو یورپ کا اخلاقی پلّہ بھی اسی قدر بھاری ہوتا جس قدر کہ مادی میدان میں بھاری ہے۔ مگر ایسا نہیں۔

انبیاء کرام کی جماعت کے افراد مختلف زمانوں اور مختلف اوقات میں دنیا میں تشریف لاتے رہے اور دنیا کو پاکیزگی اور حسن اخلاق کی تعلیم دیتے رہے۔

وہ انبیاء صرف تھوڑی مدت ہی کے لیے آتے تھے اس لیے ان کی شریعت بھی اپنے اصلی روپ میں بہت تھوڑی مدت باقی رہتی۔ اس کے بعد حسب منشا خداوندی ان کی شریعت میں بگاڑ شروع ہو جاتا اور آج ان کی تعلیمات کا چہرہ اس قدر مسخ ہو چکا ہے کہ اگر ہم ان مقدس و برگزیدہ انبیاء کرام کو ان تعلیمات میں دیکھنا چاہیں تو قطعاً نہیں دیکھ سکتے۔ اگر دیکھ سکتے ہیں تو ان کے اصلی روپ میں نہیں۔

قدرت کو یہی منظور تھا۔

صرف ایک شریعت جو باقی ہے

مگر اس جماعت کے سردار ہونے کا جنہیں شرف حاصل ہے۔ صرف اور صرف انہی کی شریعت ایک ایسی حالت میں موجود ہے کہ جس میں ہلکا سا بھی تغیر نہیں ہوا اور نہ ہو سکا۔ اور یہی اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ شریعت قیامت تک کے لیے ہے اسے کوئی منسوخ نہیں کر سکے گا۔ اور نہ ہی کوئی نبی آئے گا۔

یہی وجہ ہے کہ فتنوں کے اس دور میں ہر مذہب و ملت کے لوگ پریشان ہیں اور نئی تعلیم کی روشنی نے ان کے خیالات و اوہام کے پردوں کو چاک کر دیا۔ مگر ایک اسلام اس حالت میں بھی اپنی اصلی حالت میں ثابت قدم ہے اور اس کے پائے ثبات میں کوئی تزلزل پیدا نہیں ہوا۔

سر رچرڈ بیرٹن اپنے رسالہ "الاسلام" میں رقمطراز ہے:۔

"داؤدؑ نے انسان کا درجہ فرشتوں سے کمتر قرار دیا۔ عیسائیت نے جس کی تعلیم رہبانیت ہے اس کی تائید کی کہ انسان فطرتاً بد ہے قعر پستی میں گرا ہوا ہے مگر کسی قصور کے باعث نہیں۔ ایک خدائی موت گناہوں کا فدیہ ہو گئی مگر خوبی استحقاق کی وجہ سے نہیں۔ اس کے برخلاف اسلام نے انسان کو اس ذلت سے نکالا اور نہایت معقولیت کے ساتھ جو اس الہامی مذہب کا خاصہ ہے شرافت انسانی کی تعلیم دے کر انسان کا پایہ مخلوقات میں بلند کیا ہے اس لیے موجودہ زمانے میں "سپیرچوالزام" نے عیسائیت کو سخت صدمہ پہنچایا۔ مگر اسلام اپنی جگہ ثابت قدم ہے۔"

(ماخوذ از مشاہیر اسلام" خواجہ عباد اللہ)

اسلام کی دعوت

الغرض — اگر کوئی شخص اس موجودہ دور میں خالص اور خالص مذہب کو تلاش کرنا چاہے تو اسے اسلام کے ماسوا کوئی نظر نہیں آسکتا۔

آج بھی ہم اپنی خستگی کا علاج کر سکتے ہیں۔

اپنی روح کی پریشان حالی دور کر سکتے ہیں۔

اپنے دلوں کو طمانیت و سکون مہیا کر سکتے ہیں۔

اپنی اور اپنے ساتھ دکھی انسانیت کی خدمت کر سکتے ہیں اس وقت جبکہ ہم اسلام کی تعلیمات کو اپنی عملی زندگی کے لیے پیشوا بنا لیں۔

اور اس آسمانی رشتے میں اس مضبوطی سے منسلک ہو جائیں کہ دنیا کا کوئی حادثہ بھی ہمیں اس سے جدا نہ کر سکے ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
گر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است!

اپنے لہو سے لالہ و گل کو نکھار کر
کچھ دوستوں کے غم ہیں تو کچھ ساتھیوں کی یاد

یہ بھی علاجِ گردشِ دوراں ہے دوستو
اس پر مدارِ دیدۂ گریاں ہے دوستو

آخر کہاں چلا گیا سالارِ کارواں؟
اِک زد پڑی ہے زندگیٔ مستعار پر

کس سے کہیں کہ حشر کا ساماں ہے دوستو
اور سچ کہوں تو موت کا احساں ہے دوستو

چکمہ دیا اجل نے غریب الدیار کو
لوٹا ہے فصلِ گل میں خزاں نے بہار کو

شورش کاشمیری

۲۱ اگست ۱۹۶۱ء

شاہ جی

اچھا ہوا کہ آپ بھی ہم سے بچھڑ گئے
ورنہ اُمید و یاس کا قصہ دراز تھا

تھے لوگ بے حسی کے سمندر میں غوطہ زن
اور اس پہ یہ ستم کہ خُدا بے نیاز تھا

تیری زباں کے پھول تھے دُرہائے تابدار
تیرے بیاں پہ فنِ خطابت کو ناز تھا

تیرے دل و دماغ تھے قدرت کا معجزہ
سینہ تیرا مدینۂ سوز و گداز تھا

ہر مرحلہ میں جبر و تشدد کا سامنا
ہر معرکہ میں فضلِ خُدا کارساز تھا

القصہ ایک عہدِ صحابہ کی یادگار
جس کا وجود، نغمہ طرازِ حجاز تھا

شورش وہ آج عازمِ فردوس ہوگیا
دار و رسن کے خوف سے جو بے نیاز تھا

اے وائے! داستانِ وفا ختم ہوگئی
صرصر کی چوٹ کھا کے صبا ختم ہوگئی

جو کچھ ہوا درست ہوا، خوب تر ہوا
نوکِ قلم پہ آہ و فغاں آگئی تو کیا؟

برہم رہا ہے نقشۂ عالم اسی طرح
آندھی اُفق سے تا بہ اُفق چھا گئی تو کیا

نالہ بلب ہیں نغمہ سرایانِ فصلِ گل
بوئے چمن کو بادِ خزاں کھا گئی تو کیا

وہ لوگ جو قفس میں رہے ہیں تمام عمر
اُن کے چمن پہ برق، ستم ڈھا گئی تو کیا

جن کا وجود برقِ جہاں تاب کا جواب
اِک مرگِ ناگہاں اُنہیں تڑپا گئی تو کیا

کوثر پہ آملیں گے حریفانِ بادہ نوش
اے مرگ، شکریہ ترا، تو آگئی تو کیا

"لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے"

دل انقلابِ حال سے نالاں ہے دوستو
شیرازۂ حیات پریشاں ہے دوستو

ناسازگار آب و ہوا ہے کہاں چلیں
صرصر کی زد میں نظمِ گلستاں ہے دوستو

جو کچھ سلوک ہم سے چمن میں کیا گیا
تاریخ اُس پہ ششدر و حیراں ہے دوستو

ٹیلی فون نمبر ۶۷۵۴۵
خدام الدین
منظور شدہ محکمہ تعلیم
قرآن پاک
پڑھئے ــــ عمل کیجئے
ــــ اور دارین میں کامیابی حاصل کیجئے
بہترین طباعت سے آراستہ • عمدہ کاغذ • شاندار جلد
حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا
مترجم و محشیٰ
قرآنِ عزیز
خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھائیے
قسم اعلیٰ ۲۰/۰۰ روپے قسم اول ۸/۲۰ روپے قسم دوم ۵/۰۰ روپے قسم سوم ۵۰/۰۰ روپے
ناشر
انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور